برنیر کے قابل ولی نعمت دانشمند خان نے سچ کہا تھا۔ ان باتون سے اعلیٰ درجہ کی ہمت ظاہر ہوتی ہے۔ معمولی ہمت ایسی نہیں ہوتی اور کچھ یہی نہیں تھا کہ وہ صرف ایام جوانی مین خطرہ اور تکلیف کو بے حقیقت سمجھتا رہا ہو۔ ایام ضعیفی مین بھی بڈھا بادشاہ دکھن کی لڑائیون مین معمولی سپاہی کی طرح ہر خطرہ اور مصیبت مین شریک رہا اور کمال بیباکی کے ساتھ غنیم کے بندوقچیون کے سامنے آ گیا۔

اورنگ زیب خطرون اور جسمانی کمزوریون ہی کا مقابلہ کرنے مین بہادر نہین تھا بلکہ اسکی اخلاقی ہمت بھی ایسی تھی کہ کبھی مغلوب نہ ہوتی تھی۔ اسکی ہمت وہ ہمت تھی جو اس آدمی مین ہوتی تھی جو راہ راست پر ہونے کے یقین سے بے تامل اپنے کام مین لگا رہتا ہے۔ اسکا ثبوت اسنے ان ایرانی شگونون کے مقابلہ مین دیا جو باوجود طاقتور ہونے کے اسکے اعتقاد کے مطابق رافضی تھے۔ اور جو اکبر کی فوج کے مایۂ ناز اور نیز اسکی سلطنت کے عمدہ ترین ارکین مین سے تھے۔ اکبر نے فارسی دانون کے سال شمسی کو رواج دیا تھا۔ نوروز منایا جاتا تھا کہ یہ خاص

ایرانیون کی رسم تھی۔ اورنگ زیب نے تخت نشینی کے بعد جو
کام سب سے پہلے کیے اُنمین سے ایک یہ بھی تھا کہ نوروز منانے
کی ممانعت ہوگئی۔ اور پھر وہی سنی مسلمانون کا قمری حساب
جاری ہوگیا۔ ہندسون اور ریاضی دانون نے لاکھ سمجھایا کہ
قمری حساب مین بڑی بڑی قباحتین ہین مگر اُس نے ایک
نہ سنی۔ یہ بھی کہا گیا کہ قمری سال کے مہینے ایک سے نہین ہوتے
اور انتظام سلطنت مین وصول مالگزاری مین تعین فصل و موسم
مین اور اور ہزارون باتون مین خرابیان پڑینگی۔ مگر سب
بے سود ہوا۔ اورنگ زیب نے طبیعت ایسی رسا پائی تھی کہ
وہ ان سب باتون کو خوب سمجھتا تھا مگر ساتھ ہی اسکے یہ باتین
اُسکے اس خیال کے مقابلے مین ہیچ تھین کہ قمری سال محمد صلی اللہ
علیہ وسلم سے متعلق ہے اور جب تک اورنگ زیب بادشاہ ہے
وہی باتین قائم رہینگی جو آئین محمدی کے مطابق ہین۔

چوتھا باب

بادشاہی

مذہبی معاملات مین بادشاہ کی ضد جنون کے درجہ کو پہونچی
ہوئی تھی۔ مگر اور معاملات مین اُسکی عقل بہت سلیم تھی اور طبیعت
بہت مآل اندیش پائی تھی۔ جس طرح اُسنے اپنے ایمان کا ایک
معیار بنا رکھا تھا اور اُسکے واسطے لڑتا تھا۔ اسیطرح اُسکا فرائض بادشاہی
کا بھی مقیاس معین تھا اور شہزادون کی تعلیم اور حکومت کی ذمہ داریون
کے اصول بھی مقرر تھے۔

برنیر لکھتا ہے کہ "اورنگ زیب سے زیادہ کسی شخص کو یہ خیال
نہوا ہوگا کہ اُن شہزادون کے دلون مین جنکو قومون کی قومون پر
فرمانروائی کرنی ہے کارآمد معلومات کا پورا ذخیرہ جمع کردینا چاہیے
چونکہ شہزادے اختیار اور رتبہ کے اعتبار سے سب سے برتر ہوتے ہین
لازم ہے کہ دانشمندی اور نیکی مین بھی سب سے زیادہ بڑھے ہوے
ہون۔ اورنگ زیب کی بڑی دانشمندی کا کرشمہ ہے کہ شاہی سلطنتونمین

جو خرابیاں موجود ہین اور اُنکی حکومت مین جو ایسے نقائص ہین جو
اُنکے زوال کے باعث ہوتے ہین اُنکو دریافت کیا جاے تو معلوم
ہوگا کہ سب خرابیون کی جڑ یہ ہے کہ بادشاہون کی اولاد کی تعلیم
ادھوری ہوتی ہے اور تعلیم کا طریقہ بہت خراب ہے۔ بچپن کے
زمانہ سے عورتون اور خواجہ سراؤن کی گودیون مین رہتے ہین۔
روس و قاف و جارجیا و حبش کے لونڈی غلامون مین وقت گزرتا
ہے اور یہ لونڈی غلام اپنے کارہاے منصبی کیوجہ سے بالطبع کمینے
ہوتے ہین۔ اپنے سے بڑون کی خوشامد کرتے رہتے ہین اور اپنے
ماتحتون کے ساتھ تکبر اور گستاخی سے پیش آتے ہین۔ جب شہزادون
کے سر پر سلطنت کو رونق بخشنے کا وقت آتا ہے تب وہ حرم سرا کی
چاردیواری سے نکلتے ہین اور جو کام اُنکو کرنے ہین اُنسے ناواقف
محض ہوتے ہین۔ وہ اپنی زندگی کے اسٹیج پر اسطرح آتے ہین گویا وہ
دوسری دنیا سے اُترے ہین یا تحت الثریٰ کے کسی غار سے نکل پڑے ہین اور
اپنے آس پاس جو کچھ نظر آتا ہے اُسکو دیکھکر بیوقوفون کی طرح حیران
ہوتے ہین۔

اورنگ زیب کے خیالات اس بارہ مین کہ شہزادہ کی تعلیم کس طرح
ہونی چاہیے اُس ملامت سے ظاہر ہوتے ہین جو اُسنے اپنے اس پرانے
اُستاد کو کی تھی جو اپنے شاگرد کے بادشاہ بننے کی خبر سنکر انعام کثیر اور صلہ
تعلیم کی امید مین دہلی دوڑ گیا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے کم سنی کے استاد
کو کہ وہ اُسی طرح کا ایک معمولی مکتب کا پڑھانیوالا مُلّا تھا جیسے کہ اب تک
مشرق مین ہوتے ہین پہلے تو اچھی طرح کان کھول دیے کہ آپ علم جغرافیہ
سے محض جاہل تھے اور یورپ کے مختلف ممالک کے تعلقات کو بالکل
نہ جانتے تھے۔ پھر یون کہنا شروع کیا:۔
"کیا میرے اُستاد کا یہ فرض نہ تھا کہ روے زمین پر جتنی قومین آباد
ہین اُن سب کی خاص خاص باتون سے مجکو آگاہ کرتا۔ ہر قوم کی قوت
اختیارات طریقہ جنگ عادات مذہب اور طرز سلطنت سے مجھے واقف
کر دیتا۔ اور یہ بتلا دیتا کہ ہر قوم کے تعلقات ایک دوسرے کے ساتھ کیا
ہین۔ مجھے تاریخی تعلیم اسطرح پر دیتا کہ مین ہر سلطنت کی اصلیت کو
پہچان لیتا۔ اُنکی ترقی اور تنزل کے حالات مجھے معلوم ہو جاتے۔ وہ
واقعات اور حوادث اور غلطیان مجھپر کھل جاتین جنکی وجہ سے دنیا مین

انقلابات عظیم پیش آتے ۔ . . . . . بادشاہ کو اپنی سلطنت کے آس پاس کے ممالک کی زبانون پر بھی عبور ہونا ضروری ہے ۔ مگر آپ نے مجھے سواے عربی کے لکھنے پڑھنے کے اور کچھ نہ سکھایا بیشک آپ نے تو اپنی دانست مین مجھپر بڑا احسان کیا کہ اسقدر کثیر وقت اُس زبان مین مہارت تامہ حاصل کرنے مین ضایع کرایا جس مین بغیر دس بارہ برس کی محنت شاقہ کے کمال پیدا کرنے کی امید رکھنی محض فضول ہے ۔ آپ یہ بھول گئے کہ کیا کیا ضروری مضامین ایسے ہین جو شہزادہ کی تعلیم کا جزو ہونے چاہئیں ۔ آپ نے اسطرح پڑھایا کہ گویا قواعد صرف و نحو کا بخوبی ازبر رکھنا شہزادے کے واسطے لازمی ہے ۔ حالانکہ اسکی ضرورت صرف علما کو ہے ۔ آپ نے میرے ایام طفلیت کا قیمتی وقت الفاظ کے رٹنے مین کہ وہ محض بے سود اور نا تمام ہی کام ہے ضایع کرایا . . . . . کیا آپ کو لازم نہ تھا کہ کم از کم مجھے اُس بات کی تو تعلیم دیتے جسکا جاننا بادشاہ کے واسطے لازمی ہے ۔ یعنی یہ کہ بادشاہ اور رعایا کے باہمی تعلقات اور ایک دوسرے کی ذمہ داریان کیا کیا ہین ۔ کیا آپکو پہلے سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے تھا کہ آگے چل کر مین اپنے بھائیون سے

لڑنے پر مجبور ہونگا اور تاج سلطنت حاصل کرنے بلکہ اپنی جان سلامت رکھنے کے واسطے مجھے شمشیر کف ہونا پڑیگا۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ قریب قریب ہر بادشاہ ہندوستان کی اولاد کو یہی حالت پیش آئی۔ پھر آپ نے کبھی بھی مجھے فن جنگ کی تعلیم دی۔ کبھی کہی یہ بتلایا کہ شہر کا محاصرہ کیسے کرتے ہین یا میدان جنگ مین فوج کی صفین کس طرح آراستہ کیجاتی ہین۔ وہ تو کہیے کہ میری قسمت اچھی تھی کہ مین نے ان معاملات مین آپ سے زیادہ دانشمند لوگون سے صلاح لی۔ بس اب آپ اپنے گاؤن کو سدھاریے۔ آج سے کسی شخص کو یہ نہ معلوم ہو کہ آپ کون ہین اور آپ کا حال کیا ہے"۔

شہزادون کی تعلیم کے یہ اصول جو فرانسیسی زبان مین ترجمہ ہوکر ہمارے پاس پہونچے ہین ایسے ہین کہ ملکہ الزبتھ کے معلم راجر اشیم کے واسطے بھی باعث ناز ہوتے۔ اورنگ زیب کا یہ خیال کہ بادشاہ کو کسقدر تعلیم یافتہ ہونا چاہیے اُس تقریر سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو اُس نے ایک بہت معزز امیر سے اُسوقت کی تھی جبکہ وہ اُسے یہ سمجھا رہا تھا کہ جہان پناہ اگر کاروبار سلطنت مین اسقدر محنت کرینگے تو صحت خراب

ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ (غالباً اُسکی سخت محنت اُمرا کے عشرت پرستی
کے اشغال مین مخل ہوتی تھی)۔

بادشاہ نے فرمایا کہ وہ یقیناً اس بات پر تو سب عقلا متفق ہونگے
کہ بادشاہ پر فرض ہے کہ مشکل اور خطرہ کے وقت مین اپنی جان جوکھم
جوکھون مین ڈالدے اور شمشیر کف اُس رعایا کی حفاظت مین جان
دیدے جو اُسکی سپردگی مین ہے۔ پھر بھی یہ بکمرد اور رحیم شخص مجھے
یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ رعایا کی بہبود کے واسطے مین کوئی تکلیف نہ اُٹھاؤن
اور اُسکو ترقی دینے کے افکار مین ایک رات بھی بیخواب نہ رہون اور
ہمیشہ اپنی بدی اور ذلیل خواہشون کے پورا کرنے مین مصروف رہون
انکا یہ مطلب ہے کہ مین اپنی جسمانی صحت کے خیال کو اور خیالات پر غالب
آجانے دون۔ اور یہی سوچا کرون کہ مجھے عیش و راحت کن کن باتون
سے خوب میسر آسکتی ہے۔ یہ چاہتے ہین کہ مین اس وسیع سلطنت کا
کام کسی وزیر پر چھوڑ دون۔ انکی سمجھ مین یہ نہین آتا کہ چونکہ مین بادشاہ کے
گھر پیدا ہوا اور تخت پر بٹھایا گیا اسلیے خدا نے مجھے اسواسطے دنیا مین بھیجا
ہے کہ مین اس دنیا مین رہکر اپنے واسطے نہین بلکہ دوسرون کیواسطے

محنت کرون۔ میرا فرض ہے کہ اپنی خوشی کو خاطر مین نہ لاؤن۔ البتہ
اسقدر ضرور۔ اُس خوشی کا خیال کرون جسقدر میری رعایا کی خوشی
سے وابستہ ہے مجھے اپنی رعایا کی بہبود اور آسایش کی فکر کرنی
چاہیے۔ اور سوا ے اُن صورتون کے کہ انصاف یا سیاست یا
حمایت سلطنت مقتضی اسکی ہو مجھی اس خیال کے مقابلہ مین کسی
اور خیال کو ترجیح نہ دینی چاہیے۔ اس شخص کی سمجھ مین یہ نہین آتا کہ جس
کاہلی وجودی کی مجھے سفارش کیجاتی ہے اُسکا نتیجہ کیا ہے اور نہ یہ سمجھ
مین آتا ہے کہ اختیارات کے تفویض کردینے سے کیا خرابیان پیدا ہوتی
ہین۔ سعدی سا بزرگ جو زور کے ساتھ لکھ گیا ہے کہ دنیا تو بادشاہی کے
دست بردار ہوجاؤ ورنہ اسباب کو دلمین ٹھان لو کہ اپنی عملداری پر خود ہی
نگرانی بھی کرو۔ اسمین دانشمندی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔

یہ معیار اوصاف بادشاہت کا اُن بیشمار خطوط کے مضامین سے
مطابق ہوتا ہے جو اورنگ زیب کی مراسلات مین سے محفوظ رہ گئے
ہین۔ انہین سے ایک خط مین اپنے باپ کو لکھتا ہے کہ:۔ خداوند ذوالجلال
والاکرام اپنی ودائع جو دفعۃً اسی شخص کے سپرد کرتا ہے جو رعایا پروری

اور انصاف گستری کے فرائض کو ادا کرتا ہے۔ عقلا پر ظاہر ہے
کہ گلہ کی پاسبانی بھیڑیے سے نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی دل شکستہ آدمی
حکومت کا کام انجام دیسکتا ہے۔ بادشاہت کے معنی ہیں رعایا کا ولی ہونا
نہ یہ کہ عشرت پرستی اور لہو و لعب میں وقت کاٹنا۔ خدام والا کے معاملہ
میں اس کمترین خادمان کو یقین ہے کہ خدائے جلشانہ کے حضور میں کچھ
وجہ ندامت سے سرگریبان ہونگی نہوگی *

اُسنے شاہجہان پر اس بات کا اچھی طرح سے اظہار کردیا تھا کہ
میں آپ کے معاملہ میں اپنی پسرانہ اطاعت و تمندی کو اس فرض کا مانع
نہیں ہونے دونگا جو رعایا کے حق میں میری گردن پر ہے *

ایک خط میں وہ اپنے باپ کو لکھتا ہے کہ "میں بندگان عالی کے
عتاب سے بچنا چاہتا ہوں اور یہ گوارا نہیں کرسکتا کہ حضور والا میری
نسبت غلط رائے قائم فرمالیں۔ میری تخت نشینی سے جیسا کہ حضرت
کو خیال ہے مجھ میں تکبر اور خودی نہیں آگئی ہے۔ حضور والا کو چالیس
برس کے تجربہ سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ تاج سلطنت کسقدر گرانبار چیز ہے

* دیکھو ایلیٹ و ڈاوسن کی تاریخ جلد ہفتم صفحہ ۲۰۳

اور بادشاہ کو کیسی کیسی جانکاہ تکلیفون کا سامنا رہتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
معلوم ہوتا ہے کہ حضور عالی کا یہ خیال ہے کہ مجھے استحکام سلطنت کے
کامون مین وقت تھوڑا صرف کرنا چاہیے اور ملک کے بڑھانے کی
تدبیرین کرنا میرے مناسب حال ہے۔ مین اس سے انکار نہین کرتا
کہ ہر بڑے بادشاہ کی سلطنت کا مفتوحات کے باعث ممتاز ہونا مناسب
ہے اور اسمین شک نہین کہ اگر مین اپنی موجودہ سلطنت کی حدود کو
وسعت دینے کی کوشش سے غافل رہون تو اپنے قابل عزت مورث
اعلی تیمور کی نسل کے واسطے میرا وجود باعث ننگ و عار ہوگا۔ مگر ساتھ
ہی ساتھ مجھ پر کاہلی اور جاہ و تجمل مین پڑے رہنے کا الزام بھی عائد
نہین ہو سکتا ۔ ۔ ۔ مین بندگان عالی کو یہ یاد دلانا چاہتا ہون کہ
بڑے بڑے فاتح ہمیشہ بڑے بادشاہ نہین رہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے
کہ محض جاہل وحشیون نے دنیا کی قومون کو مطیع کر لیا ہے اور
بڑے بڑے وسیع مفتوحات چند ہی برسون مین خاک مین مل گئے
ہین۔ سچ پوچھیے تو بڑا بادشاہ وہی ہے جو اس بات کا
بہت خیال رکھے کہ اپنی رعایا پر عدل و انصاف کے ساتھ

حکمرانی کرے گا*

یہ خیال ہمارے دل مین قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ اورنگ زیب نے عمل درآمد مین کس حد تک ان اصولون کو مد نظر رکھا۔ تاکہ یہ معلوم ہو جاے کہ آیا وہ فی الواقع یہ کوشش کرتا تھا کہ جو عالی خیالات طریق فرمانروائی کے اُسکے خطون سے اور تقریرون سے ظاہر ہوتے ہین اُن ہی کے مطابق سلطنت کرے یا یہ کہ وہ محض چکنی چپڑی باتین تھین جو دل خوش کن بادشاہ نے اپنے خطون کی عبارت کو مرصع کرنے کے واسطے لکھی تھین۔ اسمین تو شک نہین کہ جیسا کہ برنیر نے لکھا ہے اورنگ زیب بڑے وقار کا آدمی تھا۔ بہت چالاک تھا۔ اور ریا فن مین اُسکو کمال حاصل تھا۔ اور جو آدمی صاف گو نہ ہو اور یہ نسبت صاف گوئی کے چالاکی سے دھون کو سر کرنا پسند کرے اُسکی بابت رائے قائم کرنے سے پہلے کہ وہ اُسکے دلی خیالات کو ظاہر کرتے ہین زرا احتیاط کے ساتھ غور کر لینا چاہیے۔ بہر حال اُسکے طرز سلطنت کی تہ

* یہ خط برنیر کے فرانسیسی ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہو صوف راوی ہے کہ یہ خط اُسنے بچشم خود ملاحظہ کیا تھا۔

جو کچھ ہمکو معلوم ہے اُس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ اُن باریک خیالات
ہی پر اُسکے طرز عمل کا دارمدار تھا - قانون اسلام کے خلاف کوئی
ناانصافی اُسکی ثابت نہین ہوئی - اوونگٹن اپنی ذات سے
مستند مانے جانے کے قابل نہین ہے مگر اُسکو جو معلومات حاصل
ہوئین اور جو راے اُسنے قائم کی وہ اُن ہی باتون کی بنیاد پر تھی
جو اُسنے اورنگ زیب کے بلا رو رعایت دیکھنے والون یعنی بمبئی اور
سورت کے انگریز سوداگرون سے سُنی تہین - وہ کہتا ہے کہ مغل اعظم
وہ انصاف کا بحر ذخار ہے - عام طور سے کامل انصاف اور عدل کے
ساتھ تجویز کرتا ہے - بادشاہ کے سامنے امیرون یا سردارون مین
ہونا کچھ کام نہین آتا - اورنگ زیب ذلیل سے ذلیل آدمی کی فریاد
کو بھی اُسی قدر جلد پہونچتا ہے جسقدر کہ بڑے سے بڑے امیر کی -
اسی لیے اُمرا اپنے کام مین محتاط اور روپیہ ادا کرنے مین وقت کے
پابند ہو گئے ہین " اُس ہندوستانی مورخ نے جسکی عبارت ہم اوپر
نقل کر چکے ہین یہ لکھا ہے کہ بادشاہ نرم دل اور جفاکش و دادگستر تھا اُسکے حضور مین
رعایا کی رسائی آسانی سے ہوجاتی تھی اور وہ بہت لطف کیساتھ پیش آتا تھا - وہی حال

ڈاکٹر گریری نے یہ بھی لکھا ہے کہ اُسنے بادشاہ کو ۱۶۹۵ء مین دکن مین دیکھا تھا

اورنگ زیب کے مزاج مین سخاوت کا مادہ زیادہ نہ تھا اور
اُسکی نسبت مشہور تھا کہ روپیہ پیسہ اور تحفہ تحائف کے معاملہ مین
بہت حریص اور بخیل ہے مگر خیرات دینے مین یہ حالت نہ تھی۔ وہ
اپنی غریب رعایا کو داد و دہش بھی کرتا تھا۔ تخت نشینی کے تھوڑے ہی
دن بعد اُسے معلوم ہوا کہ ادھر تو جنگجو فوجون کی غارتگری نے اور
اُدھر خشک سالی نے ملک مین پورا پورا قحط ڈال دیا ہے۔
اُسنے فوراً مکانات بنوائے اور وہان پکا پکایا کھانا مفت تقسیم
ہونے لگا۔ تقریباً اسّی محصول معاف کردیے کہ انہین سڑک۔ دریا
گھاٹ اور اراضی مکانات و دوکانات وغیرہ کے تکلیف دینے
والے محصول بھی شامل تھے۔ اور محصول مثلاً ہندو و مسلمانونکے
میلون کے محصول شراب خانہ قمارخانہ اور چکلون کے محصول تو
بادشاہ نے اسوجہ سے معاف کیے ہونگے کہ وہ غالی مسلمان ہوکر
کیسے ایسا روپیہ لے سکتا تھا جو طیب اور حلال نہو مگر باقی کے محصول
تو ضرور اُسنے اسی نیت سے معاف کیے کہ محتاج رعایا کی دستگیری

کرے۔ اورنگ زیب کے پاس فوج اسقدر کثیر تھی کہ اُسکو ہرگز اسبات
کی ضرورت نہ تھی کہ اپنے خزانہ کو سخت نقصان پہونچا کر رعایا کی
تالیف قلوب کرتا۔ البتہ بہت سے زمینداروں اور عاملوں نے
انہین سے اکثر محصولوں کی معافی کو نظر انداز کیا اور شاہی نگرانکارون
کی چشم پوشی سے برابر تحصیل وصول کرتے رہے۔ مگر یہ تو بد چلن
اور بد کردار عمال کی کارروائی تھی اِسمین نیک نیت بادشاہ کا کیا
قصور۔ اُسکو جب اپنے احکام کی خلاف ورزی کی اطلاع ہوئی
تو اُسنے مجرموں پر جرمانے کیے۔ مگر شاہی غصہ کو قیام تھوڑا ہوتا تھا
عطا بخشی بھی جلد ہوگئی اور یہ لوگ پھر اپنے عادات تغلّب پر عود کر گئے
بادشاہ کی حکومت کچھ ایسی نرم دلی کی تھی کہ اضلاع اور صوبجات
کے عاملوں کے دلوں مین ساری سلطنت بھر مین نام کو بھی
سزا پانے کا خوف و اندیشہ باقی نہ رہا تھا اور نتیجہ یہ ہوا تھا کہ
رشوت اور ظلم کا بازار گرم تھا اور اُس سے بدتر بہا خراب حالت
ملک کی ہوگئی تھی جو شاہجہان کے وقت مین تھی کہ اُسکی سلطنت مین
شفقت پدرانہ کے ساتھ نگرانی بھی ملی ہوئی تھی۔ یہ غضب صرف عمولون کے

اورنگ زیب کی اس بے اثر فیاضی کی تاویل یون کی ہے کہ یہ بھی
اُسکی چالاکی کی تدبیر اس غرض سے تھی کہ رعایا کی تالیف قلوب
بھی ہوجاے اور خزانہ کو نقصان بھی نہ پہونچے - ڈاکٹر گر یہی کا
رجحان اس راے کی جانب ہے کہ بادشاہ خود اُمرا کی بداعمالیون
سے چشم پوشی کرتا تھا کہ وہ پورے طور سے اُسکی مدد کرتے رہین -
جس سلطنت مین جاگیردارون کا زور ہوا اُسمین ذی اختیار سردارونکو
بلاے رکھنا اور نیز اُنکی بے ضابطگیون سے چشم پوشی کرنا لازمی ہوتا
ہے اور بہت ممکن ہے کہ اورنگ زیب نے بعض اوقات مجبور
ہوکر دانستہ اپنی آنکھین بند کر لی ہون کہ مبادا حالت اور زیادہ
ابتر ہوجاے - بہرکیف جو حالت بادشاہ کے مزاج کی ہمکو معلوم
ہے اُسکے مطابق تو یہی بات زیادہ لگتی ہوئی اور آسانی سے
سمجھ مین آجانیوالی ہے کہ قرآن مین جو صریحی تاکید ہے کہ مسکین
اور مسافرون کی مدد کرنی چاہیے اُسی کی تعمیل مین اورنگ زیب
نے کار خیر سمجھکر محصول معاف کر دیے تھے - وہ اس شرح کو
ادنی شرح کہہ ؟ جائز استحصال بالجبر اور غربا پر ظلم روا رکھتا -

البتہ تخت کے حاصل کرنے کی سازشون مین جن تدبیرون اور چالون
سے اُسنے کام لیا وہ ایسی تھین کہ آج تک ہندوستانی سلطنت مین
اُنکی روایتین مشہور ہین - تاہم اُسکے ملک والون نے ان باتون پر
زیادہ خیال نہین کیا - یوروپین لوگون کا خاصہ ہے کہ مشرقی حیلہ سازی
کی کامیابی مین بہت مبالغہ سے کام لیتے ہین - اور اسمین شک
نہین کہ جب مغرب والے سیدھے سادے آدمی اُس سے دھوکہ
مین آجاتے ہین اس ملک والون کو اسمین کچھ ایسی دغا نہین معلوم ہوتی
اسمین شک نہین کہ اورنگ زیب کی فطرت مین یہ بات نہ تھی کہ
اپنے عمال اور کارکنون پر پورا اعتماد رکھے - عام اس سے کہ وہ رتبہ مین
مستقل ہون یا بددیانت اور نالائق - ہم دیکھ چکے ہین کہ وہ اختیارات
کے تفویض کر دینے کا قائل نہ تھا - اور دغابازی کے جو سبق اُسنے
اپنے خاندان کی تاریخ مین پڑھے تھے اور جنمین وہ خود بھی تخت نشینی
کی جنگ کے زمانہ مین شریک رہا تھا اُسکے دل مین جو فطرتی طور پر
شکی واقع ہوا تھا بہت کچھ اثر کر گئے تھے اُسکا باپ شاہجہان اُسکی
نسبت کہا کرتا تھا کہ فن جنگ اور صلاح و تدبیر اور انتظام و انصرام

تو اورنگ زیب بہت قابل ہے مگر مزاج بہت شکی پایا ہے اور غالب
اسکو کبھی کوئی ایسا آدمی نہ ملیگا جسپر یہ پورا پورا بھروسہ کر سکے"
یہ پیشین گوئی بالکل سچ ہوئی - اورنگ زیب نے کبھی کسی شخص کا
اعتبار نہ کیا - یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی کہ اُسے یہ خطرہ رہا کرتا تھا کہ
کہیں اُسے زہر نہ دیا جائے بہت سے مغل شہزادوں کی جان اس خطرہ
سے عذاب میں رہی ہے - اسکے لیے ایک شخص چکھنے والا مقرر
تھا کہ وہ چکھ کر بتا دیتا تھا کہ غذا خوشگوار ہے یا نہیں - بعض لوگ
کہتے ہیں کہ اُسکی بیٹی یہ کام کرتی تھی - اور اگر کہیں بادشاہ کو دوا
کھانی پڑتی تو طبیب کا یہ بھی کام ہوتا تھا کہ رہبری کرے اور گولی
پر گولی اور معتاد پہ معتاد خود بھی چڑھاتا جائے تاکہ بادشاہ خود اُس
دوا کے استعمال کرنے سے پہلے یہ ملاحظہ کرے کہ حکیم جی پر اُسکا کیا
اثر ہوا - اس سے پہلے اُسکا باپ بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتا تھا
اورنگ زیب کے پاس بہت سے سرکاری مخبر تھے جو واقعہ نویس
کے لقب سے ملقب تھے - اس قسم کے لوگ اُسکے آبا و اجداد بلکہ
یہاں تک کہ خلفائے بغداد بھی رکھا کرتے تھے - یہ لوگ اپنے اپنے

مقامات مین اسقدر مشہور ہوتے تھے کہ جاسوس کا بدنام لقب انکے
لیے موزون نہوگا۔ یہ لوگ ملک کے تمام بڑے بڑے مقامات سے
برابر خطوط بھیجتے رہتے تھے تاکہ مغل اعظم کو اسکی اطلاع ہوتی رہے کہ
ضلع دور و نزدیک مین کیا ہورہا ہے۔ ان اخبار ہی خطوط مین اکثر
ایسی خبرین ہوتی تھین جنکا دربار مین پہونچنا بہت ضروری ہوتا تھا
مگر کاتبونکو جو معمولی سے معمولی بات چیت اور عام سے عام خبرون کی
اطلاع ہوتی تھی وہ بھی ان خطون مین درج ہوتی تھی۔ یہ وقائع نگار
بددیانت حاکمون سے رشوتین بھی لیتے تھے اور اکثر جو باتین لکھنے کی
ہوتی تھین انکو دبا بھی دیتے تھے۔ تاہم ہر جگہ کے اہلکارون پر ان
لوگون کے مقرر ہونے کی وجہ سے ایک طرح کا دباؤ رہتا تھا۔ یون
سمجھیے کہ یہ لوگ سرکاری نگران کار ہوتے تھے اور بدچلن کارکن
اور زمیندار انسے ڈرتے رہتے تھے۔ انکی مدد سے اورنگ زیب
کو اپنے کام کرنے کے شوق کے پورا کرنے کا موقع ملتا تھا۔ وہ
انتظام ملکی پر بالتفصیل نظر ڈالتا تھا اور ادنی سے ادنی محرر کے تقرر
مین بذات خاص اپنی نوازش کا اظہار کرتا تھا۔

یہ احتیاط کچھ انوکھی نہ تھی - ممالک مشرقی کا معمولی دستور ہی یہ تھا - مگر اورنگ زیب نے نابُون پر اپنے متقدمین سے بھی زیادہ دباؤ رکھا - اُسنے بہت کچھ ویسا ہی طریقہ اختیار کیا تھا جیسا کہ آج کل ہماری پولیس مین جاری ہے - وہ اپنے عہدہ دارون کو اِدھر اُدھر تبدیل کرتا رہتا تھا اور جہان تک ممکن ہوتا تھا اُنکو اپنی جاگیرون سے بہت دور دراز فاصلہ پر رکھتا تھا - ڈاکٹر فرائر صاحب لکھتے ہین:- "اورنگ زیب اِس اصول پر سلطنت کرتا ہے کہ مغل یا ایرانی رفیقون مین جتنے لوگ بھروسے کے قابل مل سکین اُنکو اُمرا اور سردارون مین شامل کر دے مگر اِس حکمت عملی کا ہمیشہ لحاظ رکھے کہ اُن کو کام ایسی جگہہ دے جو اُنکی جاگیر اور علاقہ سے بہت فاصلہ پر ہو - وہ یہ مناسب نہین سمجھتا تھا کہ اُنکے علاقون ہی مین اُنکے پاس فوج اور زر کثیر رہے کہ مبادا اُنکو اسکی ترغیب ہو کہ دائرہ عبودیت کے باہر قدم نکالین اور اطاعت کا جوا اپنے کندھون سے اُتار سکین اور اسی غرض کی تکمیل کے لیے اِن لوگون کے بیوی بچے بطور کفیل دربار مین روک لیے جاتے تھے اور یہ لوگ ملکون مین اِدھر اُدھر

رہتے یا شہرون مین انتظام کرتے رہتے تھے - اور جب واپس
آتے تھے تو اُنکے پاس کوئی چیز ایسی نہ ہوتی تھی جسکو وہ اپنی ملکیت
کہہ سکین - البتہ جو کچھ تغلب کرکے یا سپاہیون اور رعایا پر ظلم کرکے
لے لیا ہو وہ اُن ہی کا ہوتا تھا - سو اُسکا بھی یہ حال تھا کہ اکثر جب
مال کھل جاتا تھا تو بادشاہ سب اُگلوا لیتا تھا - جن مظلومون سے
ملتا تھا اُنکو پھر بھی نہ پہونچتا تھا - کیونکہ اصول تو یہ تھا کہ "روپیہ پیسہ
مال متاع اراضی سب بادشاہ ہی کی ہے - جب چاہے لے لے" -
اِن عام خیالات کی تصدیق واقعات سے نہین ہوتی - بلکہ
اورنگ زیب کے خطون سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس مغلی دستور
کا مخالف تھا کہ متوفی مالکون کی جایداد بحق سرکار ضبط کر لیجائے
اور وارث محروم کر دیے جائین - ہان یہ ضرور صحیح ہے کہ اُسکے شکی
مزاج کو جو جو احتیاطین اِس بات کے لیے ضروری معلوم ہوتی تھین
کہ بڑے بڑے افسرون کے فساد برپا کرنے کا امکان نہ باقی رہجائے
اُنکو وہ ضرور کام مین لاتا تھا - اور چونکہ بعض خاندانون کا زور روز
بروز بڑھتا جاتا تھا اسطرح کی احتیاط اُسکے لیے لازمی بھی تھی - اُنکی

بے اعتباری اِس درجہ بڑھ گئی تھی کہ ہر وقت اُسکی جان کو کھٹکا ہی
لگا رہتا تھا۔ اپنے بیٹون کے ساتھ بھی اُسکا وہی برتاؤ تھا
جو اُمرا کے ساتھ تھا۔ بڑے بیٹے کو تو دائم الحبس کر ہی دیا
تھا۔ دوسرے بیٹے کو بھی محض اِس شبہہ پر کہ اُسکے دل مین
دغا ہے چھ برس تک قید رکھا۔ اسمین شک نہین اُسکو بیٹے
کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ کرنے کی معقول وجہ تھی۔
اُسکا چوتھا بیٹا شہزادہ اکبر اپنے باپ کے خلاف باغی راجپوتون
سے مل گیا تھا۔ اور شہزادہ اعظم ہمیشہ ولیعہد کے خلاف [illegible]
سازشین کرتا رہتا تھا کہ اورنگ زیب کو اپنا اور مراد بخش
کا معاملہ ضرور یاد آجاتا ہوگا۔ تاہم باوجود اسکے کہ بعض صورتون
مین یہ بے اعتباری معقول وجوہ پر مبنی ہوتی تھی بادشاہ کو
اِس عادت نے ہر دل عزیز نہ ہونے دیا۔ اُسکے اور نیز اُسکے
بعد کے زمانے کے نیک مسلمانون نے اُسکے محامد و اوصاف
کے ترانے گائے مگر اکثر دربار والے اور بہت سے افسر
ہمیشہ اُسکے شکی مزاج سے خائف تھے اور خوف کے ساتھ

اُسکی بے اعتباری اور جانچ سے نالان بھی رہتے تھے - اُسکا باپ شاہجہان
اپنی ضعیفی مین کہ اُس زمانہ مین کاہلی بڑھجاتی ہے اور حرص جوان
ہوجاتی ہے اپنے عنفوان شباب کے زمانہ سے بھی زیادہ شفقت
پدرانہ سے کام لیتا تھا اور اسی باعث سے اپنی رعایا مین ہردلعزیز تھا
اورنگ زیب ہر اعتبار سے اپنے باپ سے کہین بڑھا ہوا تھا - اُس
سے زیادہ عاقل آدمی تھا - اُس سے زیادہ عادل بادشاہ تھا -
اُس سے زیادہ رحمدل اور نیک نہاد فرمان روا تھا - اُس کا
سب سے بڑا دشمن منوکی بھی تسلیم کرتا ہے کہ وہ دل کا ضرور اچھا تھا
مگر اُسکی ساری نفس کشی اور مستعدی اور انصاف اور جانفشانی اُسکی
سردمہری اور بے اعتباری کے باعث اُسکی رعایا کی نظرون مین ہیچ
تھی - اُسکا فقر اور کفایت شعاری اور سادگی بھی تو اُس قوم کے خلاف
پڑتی تھی جو شاہجہانی دربار کا پُرشوکت جاہ و جلال دیکھے ہوے تھی
اُسکی رعایا مین سے بیشتر لوگ تو یہی چاہتے تھے کہ اگر ہمارا بادشاہ
مذہب اور نسل کے اعتبار سے ہم سے مختلف ہو تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ
وہ پورے شاہانہ تزک و احتشام سے اپنی شاہی دکھلائے اور اُسکے

جاہ وجلال کے نور کی شعاعین اُسکی رعایا پر بھی پڑتین - پھر چاہیے
رعایا کی جبین اُسکی شاہانہ خوشیون کے پورے کرنے مین خالی ہی
کیون نہ ہو جائین - اور یہی اورنگ زیب سے نہین ہو سکتا تھا -
اسکی عالی طبعی باعث تھی کہ رعایا اُسکا ادب کرتی تھی اور اُس کی
مضبوط ایمانداری اور سچی اور پکی نیکی اُنکے دل بُجھائے دیتی تھی -
اورنگ زیب کے اس کھرے پن کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُسکا وقار کم
ہو گیا - بہت کم بادشاہ ایسے ہوے ہونگے جنکی نیت اُس سے
زیادہ اچھی رہی ہو - مگر اس دنیا مین خالص سے خالص نیت
کسی کو ہر دل عزیز نہین بنا سکتی اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ سب آدمی
محض یہ جان کر کہ آپ ایک بات کو اچھا سمجھتے ہین اُس بات کو
کرنے لگین - لوگون نے یہ دیکھا کہ بادشاہ کا مزاج ویسے تو بہت
اچھا ہے عرایض کو بڑی توجہ سے سنتا ہے اور داد گستری کرتا
ہے مگر لبون پر تبسم ہے تو دل مین جوش مذہبی کا بخار بھرا ہوا ہے
عام طور سے یہ مشہور ہے کہ اورنگ زیب کے مزاج مین عجیب و
غریب اختلافات پائے جاتے ہین - مگر اُسکے اقوال و افعال

توکوئی اختلاف نہین پایا جاتا ہے۔ اُسکے مزاج مین غلو مذہبی تعصب کا
اُس کا جوش بہت بڑھا ہوا تھا۔ فقیرون کی سی احتیاط اور نفس کُشی
اسمین تھی۔ راہ راست سے کبھی ڈگمگایا نہین اور اپنے فرض کے
ادا کرنے مین برابر ثابت قدم رہا۔ ساتھ ہی اسکے بہت سخت
مزاج بھی تھا۔ اپنی خواہشون کو روکتا تھا۔ مذہبی جوش
جنون کی حد تک پہونچ گیا تھا۔ اور طبیعت ایسی پائی تھی کہ فطرت
انسانی پر بھروسہ نہ کرسکتا تھا۔ اور اسی کا لازمی نتیجہ یہ بھی تھا
کہ اسکا دل محبت سے خالی تھا۔ اورنگ زیب مین بہت بڑے
بڑے اوصاف تھے۔ دنیا کی ساری نیکیان وہ کرتا تھا۔ مگر ایک
پیشوا کے واسطے جو باتین ضروری ہین اُن مین سے ایک چیز کی
کسر تھی۔ اُس کو دل مٹھی مین لے لینا نہ آتا تھا۔ ایسا شخص
سلطنت کا انتظام بھلے ہی کرے مگر رعایا کے دلون کو تسخیر
نہین کرسکتا۔

پانچوان باب

دربار*

باوجود اپنی سادہ مزاجی اور فقیرانہ طبیعت کے اورنگ زیب
اُن پر از شوکت لوازم دربار کو بالکل موقوف نہین کرسکا
اُسکے شان والے باپ کے زمانہ مین اپنی معراج کو پہونچ چکے
تھے۔ سخت سخت قواعد کی پابندی اور فقیرانہ ریاضت خلوت
مین تو ضرور ممکن تھی مگر عوام کے سامنے تو بادشاہ کو اُسی دستور
کے مطابق عملدرآمد کرنا پڑتا تھا جو اکبر کے وقت سے اُس کے
شاہی متقدمین برابر کرتے آئے تھے۔ اور وہی رعب قائم

* اورنگ زیب کے دربار دہلی کے حالات کی سب سے پہلی مستند کتاب برنیر کا
سفرنامہ ہے۔ مصنف مذکور نے بڑی خوبی کے ساتھ اپنے چشم دید اور مفصل حالات
لکھے ہین۔ کتاب مذکور کا ترجمہ آرچی بالڈ کانسٹبل صاحب نے کیا ہے اور باجازت
مترجم موصوف بعض مقامات پر مین نے بھی اس ترجمہ سے اقتباس کیا ہے۔

کرنیوالا جلال دکھانا پڑتا تھا جو شاہجہان کو بہت زیادہ عزیز تھا
اورنگ زیب کو اس گندی دنیا کے نام و نمود کی طرف خود
رغبت نہ تھی مگر وہ بھی خوب جانتا تھا کہ میری رعایا کی نظرون
مین جو کچھ ہے وہ یہی ہے۔ مغلون کا بادشاہ ہو اور عظیم الشان
دربار نہون آنکھون مین چکاچوند پیدا کردینے والے جواہرات
نہ دکھلائی دین لباس فاخرہ پہنے ہوے اور اسلحہ لگائے ہوے
درباروالے چمکتے دمکتے نہ نظر آئین اور شوکت شاہانہ کے شاندار
آثار نہ ظاہر ہون تو ایسے بادشاہ کو وہ رعایا کب خاطر مین لاسکتی
تھی جسکو صدیون کی صدیان بادشاہون کو پورے جاہ وحشم
کے ساتھ رونق افزائے تخت دیکھتے گزری ہون۔ مشرقی لوگ
یورپ والون سے بھی اس خیال مین بڑھے ہوے ہین کہ لباس
ہی سے آدمی بادشاہ ہوتا ہے۔ اور کچھ رعایا ہی پر منحصر نہین بلکہ
سلطنتہاے غیر کے سفیر بھی بادشاہ کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتے اگر
وہ اپنے مرتبہ کے مطابق باریک ارغوانی حریر زیب تن نہ کرتا
اور اُس جاہ وجلال کے ساتھ اُنسے نہ ملتا جو ایسے بادشاہ عظیم الشان

کے شایان ہو۔ چنانچہ اورنگزیب نے بھی کم و از کم سلطنت کے ابتدائی زمانہ مین اور اہم مراتب کے بجا لانے مین ان رسوم دربار کی پابندی کی جو سب سے پہلے بانی سلطنت یعنی اُسکے پردادا اکبر کے وقت سے برابر ہوتی آئی تھین۔

بادشاہ نے اپنا قیام دہلی اور اگرے مین تقسیم کر رکھا تھا۔ مگر دارالسلطنت دہلی ہی مین تھا اور وہین بڑے بڑے شاہی کام ہوا کرتے تھے۔ دہلی مغلون ہی کی بسائی ہوئی تھی پہلے بادشاہونکا جو پرانا شہر تھا وہ بالکل مسمار ہو گیا تھا اور اُسی اُجڑے دیار کے بجاے نیا دارالسلطنت شاہجہان آباد شاہجہان نے ۱۶۳۹ء لغایت ۱۶۴۸ء مین آباد کیا تھا اور اُسکا نام بھی اپنے نام پر رکھا تھا۔ اگرہ اکبر کا دارالسلطنت تھا اور جہانگیر نے بھی وہین رہنے کا معمول رکھا تھا۔ مگر وہان کی گرم آب و ہوا اُنکے عیش پسند جانشین کے لطف مین خلل انداز تھی اس باعث سال کے بیشتر حصہ کے واسطے دربار اس نئی دہلی یعنی شاہجہان آباد مین ہوا کرتا تھا۔ ہمارے سب ناظرین اس عظیم الشان دارالسلطنت کے کھنڈر

اور مساجد اور آثار صنادید و محلات وغیرہ سے بخوبی واقف ہو گئے

مگر اس زمانہ کی سیر جب دہلی آباد تھی اور اپنے پورے عروج پر تھی

ہمین برنیر کی آنکھون سے کرنی ہوگی کہ اُسنے اُس زمانہ مین اس

شہر کو دیکھا تھا کہ اسے آباد ہوئے کل گیارہ برس گزرے تھے۔

اُسنے ۱۶۶۳ء مین چار برس کے قیام کے بعد وہین اسکے حالات

بھی لکھے تھے اور یہ مان لینی کی بات ہے کہ وہ اپنے زمانہ کی دہلی

سے بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ دریاے جمن کے اپنے

کنارے پر ہلالی شکل مین شہر آباد تھا اور دریاے مذکور اُسکی شمالی

و مشرقی سرحد پر تھا اور ایک کشتیون کا پُل اُسکے عبور کرنے کے

واسطے بنا ہوا تھا۔ آس پاس کے میدانون مین زراعت اور اشجار

کی کثرت ایسی ہی تھی جیسی کہ آج کل ہے اور شہر مین بڑے نفیس

نفیس باغ لگے ہوے تھے۔ سواے اُس سمت کے جدھر دریا بہتا

تھا اور ہر جانب شہر کے گرد اینٹون کی فصیل بنی ہوئی تھی مگر کوئی

خندق یا ترس نہ تھی۔ یہ فصیل غنیم کا حملہ روکنے کے کام کی نہ تھی۔

کیونکہ قلعہ بندی پوری پوری نہ تھی۔ البتہ کوئی سو سو قدم کے

فاصلہ پر پیالی قطع کی مینارین بنی ہوئی تھین اور فصیل کے پیچھے
چار چار پانچ پانچ فٹ کے مٹی کے پشتے لگے ہوے تھے۔ اس فصیل
کا محیط کوئی چھ سات میل کا تھا۔ گرد دروازون کے باہر سواد
شہر بہت وسیع تھا اور اُسمین بڑے بڑے سردارون اور دولتمند
سوداگرون کے عالیشان مکانات بنے ہوے تھے۔ اور نوآباد
شہر کے باہر اُس سے بالکل ہی ملے ہوے پُرانے شہر کی عمارتون
کے کھنڈر بھی تھے۔ اس وسیع رقبہ مین بیشمار تِلی پتلی گلیان
تھین اور ہر قسم کے مکانات نظر آتے تھے کہین سپاہیون اور لشکریون
کے بانس اور پھونس کے کچے جھونپڑے تھے کہین چھوٹے عہدہ دارون
کے مٹی اور اینٹون کے مکانات تھے اور کہین امیرون اور
سردارون کے عالیشان ایوان تھے جنمین بڑے بڑے صحن اور
خانہ باغ اور فوارے ہوتے تھے اور تہ خانے اسطرح کے ہوتے
تھے کہ گرمی کے دنون تین سہپر کے وقت چارون طرف سے ہوا
آتی تھی اور لطف کے ساتھ وقت بسر ہوتا تھا۔

دو بڑی بڑی سڑکین تھین۔ تقریباً تیس قدم چوڑی۔ بہت لمبی

اور سیدھی۔ آنکے کنارے دو کانین آباد تھین اور برابر اُس بڑے شاہی چہار گوشہ تک چلی گئی تھین جو بادشاہ کے محل اور قلعہ کے سامنے واقع تھا۔ یہ مربع چہار گوشہ وہ مقام تھا جہان فوج والون اور شہر والون کا ملاپ ہوتا تھا۔ اور یہان طرح طرح کی سیر نظر آتی تھی۔ جب راجپوت راجاؤن کی نوکری کی باری ہوتی تھی تو وہ لوگ اپنے خیمے اسی مقام پر نصب کرتے تھے کیونکہ راجپوت کسی طرح یہ منظور نہ کرتے تھے کہ مغلون کی چاردیواری مین اپنے آپ کو مقید کردین۔ اور اسی مقام پر بڑے بڑے سردارون کا تزک و احتشام اُس زمانہ مین نظر آتا تھا جب اُنکی باری یہان پہرہ دینے کی آتی تھی۔

اور اُس تزک و احتشام کے مرقع سے زیادہ ذیشان مرقع قیاس مین نہین آسکتا جو اُسوقت پیش نظر ہوتا تھا جب قلعہ کے سامنے وسیع میدان مین راجگان و منصبداران و اُمرا اِس غرض سے جمع ہوتے تھے کہ جہان پناہ کے جلوس کے ہمرکاب چلین یا دربار عام خاص مین حضوری سے شرف اندوز ہون۔ منصبدار چارون طرف سے جوق جوق چلے آتے ہین۔ زرق برق سازو سامان سے آراستہ ہین۔ چارچار

نوکر ساتھ ہین - دو گھوڑے کے آگے چلتے ہین دو پیچھے - اور اپنے مالکون کے واسطے راستے سے لوگون کو ہٹاتے جاتے ہین - امرا اور راجہ لوگ سواریون پر آتے ہین - کسی کی ران کے نیچے گھوڑا ہے کوئی شاندار ہاتھی پر سوار ہے - اکثر بیش قیمت پالکیون مین سوار ہین - چھ چھ کہار لگے ہوے ہین - سردار صاحب کمخواب کا تکیہ لگائے پالکی مین مگن ہین - پان چباتے جاتے ہین کہ منہ سے خوشبو بھی آئے اور سرخرو بھی نظر آئین - پالکی کے ایک طرف ایک ملازم چاندی یا چینی کا پیکدان لیے ہوے ہے - دوسری طرف دو ملازم مورچھل ہلاتے جاتے ہین تاکہ انکے عیش پسند آقا پر مکھی نہ بیٹھنے پائے اور گرد نہ آنے پائے تین چار پیادے آگے راستہ صاف کرتے جاتے ہین اور متعدد سوار شاندار گھوڑون پر چڑھے ہوے پیچھے پیچھے چلتے ہین -

یہین بازار بھی لگتا ہے اور بیشمار انواع و اقسام کی چیزین بکنے آتی ہین - اور پیرس کے پانٹ نوف کیطرح یہان بھی بہت سے داستان گو اور شعبدہ باز جمع ہوتے ہین - ہندو اور مسلمان دونون فرقون کے نجومی بھی یہین جمع ہوتے ہین - یہ عقلمند لوگ دھوپ مین گرد آلود

غالیچون کے ٹکڑون پر بیٹھے رہتے ہین اور رمل اور جفر کے پانسون سے
کھیلتے رہتے ہین۔ سامنے ایک بڑی سی کتاب کھلی رکھی رہتی ہے اور اسمین
منطقۃ البروج کی علامات بنی ہوتی ہین۔۔۔۔۔ یہ لوگ غریب
آدمی سے ایک پیسہ لیکر اُسکی قسمت کا حال بتلاتے ہین۔ پہلے سائل
کا ہاتھ اور چہرہ دیکھتے ہین پھر بڑی کتاب کے ورق اُلٹتے ہین پھر
کچھ جوڑ توڑ کا حساب لگا کر بتا دیتے ہین کہ جو کام تمکو کرنا ہے اُسکے
واسطے فلان ساعت مبارک ہے۔

جہان اور لوگ تھے وہان گوآ کا ایک مجنس پرتگالی بھی اپنا
قالیچہ بچھا بیٹھا تھا۔ ایک قطب نما اور دو کانٹے اسکے پاس رکھے
تھے اور یہی کل کائنات تھی حقیقت یہ ہے کہ اُسے پڑھنا نہ آتا تھا مگر
تصویرون سے اپنا کام نکال لیتا تھا اور اسی طرح حال بتاتا تھا جسطرح
جیسے اچھے نجومی بتلاتے ہین۔ مسیحی پادری بزی صاحب نے
اسکو مصروف دیکھا تو اُسسے بے دھڑک کہا کہ صاحب مین نجومی ہون
تقدیر کا حال بتلاتا ہون۔ اُس زمانہ مین ہندوستان مین کوئی کام
بغیر نجومیون کی صلاح کے نہوتا تھا یہ بازاری نجومی تو سب سے نیچے

درجہ کے ہوتے تھے۔ بادشاہ اور سرداران ہوشیار جیش جیتون کو
بڑی بڑی تنخواہین دیتے تھے اور چھوٹے سے چھوٹا کام بغیر انکی
اصلاح پوچھے نہ کرتے تھے۔ یہ لوگ آسمانی نوشتے کو پڑھ لیتے تھے
اور ساعت مقرر کر دیتے تھے اور جو شک آپڑتا تھا اُسکو قرآن مین
فال دیکھکر حل کر دیتے تھے۔

اس وسیع شاہی میدان کے آگے قلعہ تھا جسمین بادشا
کا دیوان اور محلسرا تھی۔ سامنے دریا بہتا تھا اور اُسکے کنارے
ہاتھیون کی لڑائی ہوا کرتی تھی اور راجاؤن کی فوجین قواعد
کرتی تھین۔ قلعہ کی بلند دیوارون کا کسیقدر استحکام گرد برجون
مینارون سے بھی تھا اور چارون طرف خندق بنی ہوئی تھی۔ اور
چھوٹی چھوٹی جنگی توپین شہر کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اندر کا
ایوان ممالک مشرقی کے ایوانون مین سب سے زیادہ شاندار تھا اور
محلسرا بھی یوروپین محلات کی دونی سے زیادہ تھی۔ قلعہ کے صدر
دروازے پر پتھر کے دو بڑے بڑے ہاتھی کھڑے ہوے تھے اور
اُنکے بیچ مین ہوکر اندر جانا ہوتا تھا۔ راجہ جےمل اور راجہ پتا والی

پتھر کے مجسمے ان ہاتھیون پر رکھے ہوے تھے۔ یہ وہی راجے
تھے جنھون نے برابر اکبر کا مقابلہ کیا اور بجاے مطیع ہو جانے کے
میدان مین نکل کر بانہ حملہ کر کے جان دیدینے کو بہتر سمجھا۔ اسیکا
نتیجہ تھا کہ انکی یادگار انکے دشمنون نے بھی قائم رکھی۔ ان بہادرون
کے بتون کے بیچ مین ہو کر نکلنے سے دل پر بہت خوف اور ادب
کی حالت طاری ہوتی تھی۔ پھر آگے چل کر اندر کا صحن طے کرنے
کے بعد لمبی اور پر فضا چاندنی سڑک ملتی تھی۔ اسکے بیچون بیچ مین
نہر جاری تھی اور دونون طرف کسیقدر اونچا پتھر کا فرش تھا۔ اوسکر
بھی جا بجا سڑکین نکل گئی تھین اور مختلف مقامات پر سوداگرون کے
کاروان سرا اور بڑے بڑے کارخانے نظر آتے تھے جنہین بادشاہ
اور امرا کے کاریگر گوٹہ زری کا کام کرتے تھے چاندی سونے کے
زیور بناتے تھے بندوقین ڈھالتے تھے لاکھ کا کام کرتے تھے مل
بنتے تھے تصویرین کھینچتے تھے اور اسیطرح کے کام کرتے تھے

دہلی کی صنعت اور دستکاری مشہور تھی۔ جن کاریگرون پر بادشاہ
یا امرا کی نظر عنایت ہو جاتی تھی وہ مالا مال ہو جاتے تھے۔ ورنہ

ویسے جو شخص کاریگر لگا تھا وہ جو اُسکے جی مین آتا تھا مزدوری دے دیتا تھا۔ مغل بادشاہون نے صنعت و کاریگری کی قدر افزائی کی وہ قابل تعریف ہے۔ یہ لوگ اِن صنّاعیون سے اپنے محلات کی زیب و زینت بڑھاتے تھے۔

برنیر لکھتا ہے کہ "اگر بادشاہ اور بڑے بڑے اُمرا نے بہت سے کاریگر اپنے گھرون پر کام کرنے کے واسطے نوکر نہ رکھ چھوڑے ہوتے تو ہندوستان کی صنعت اور کاریگری کی خوبصورتی اور نزاکت مدت کی مفقود ہو چکی ہوتی۔ پھر بھی ہندوستان کے ہر ایک حصہ مین بڑے بڑے ذہین لوگ ہوتے ہین بیشمار نمونے بڑی بڑی نادر کاریگریون کے ملتے ہین جو اُن لوگون کے بنائے ہوے ہین جنکے پاس اوزار بھی نہین ہین اور جنہون نے کسی اُستاد سے تعلیم بھی نہین پائی۔ بعض اوقات یہ لوگ یورپ مین ساخت کی چیزونکی ایسی ہوبہو نقل بنا دیتے ہین کہ اصل اور نقل مین مشکل سے تمیز ہوتی ہے۔ علاوہ اور چیزون کے ہندوستانی گولی اور چھرّہ کی بندوقین اچھی بناتے ہین۔ اور سونے کا زیور تو ایسا خوشنما بناتے ہین کہ

بہکو یقین کامل ہے کہ کوئی یوروپین نزرگر اس سے زیادہ صنعت کا کام بنا سکتا ہے۔ مین نے اکثر یہان کے مصورون کی تصویرون اور نقشون کی صفائی اور نزاکت کو پسند کیا ہے۔ ایک مشہور دستکار نے اکبر کے کارنامون کی تصویرین ایک ڈھال کے اوپر بہت خوب بنائی تہین۔ یہ مجہے بہت زیادہ پسند آئین۔ کہا جاتا ہے کہ سات برس کی محنت مین یہ تصویرین تیار ہوئی تہین ہندوستانی مصور تناسب کا زیادہ خیال نہین رکہتے اور چہرون کی بناوٹ بہی جیسی چاہیے ویسی نہین ہوتی ؎

مسلمانون کو جو جانداروں کی تصویرون سے احتراز تہا وہ اکبر نے اٹہا دیا تہا۔ منقول ہے کہ بادشاہ مذکور نے مصوری کی نسبت اپنے خیالات یون ظاہر فرمائے ہین کہ:۔ "بہت سے لوگ مصوری سے نفرت کرتے ہین مگر مین ایسے لوگون کو ناپسند کرتا ہون۔ میری رائے مین مصور کو خاص ذرائع خداشناسی کے میسر ہوتے ہین۔ جب مصور کسی جاندار چیز کی تصویر کہینچتا ہے اور یکے بعد دیگرے سب اعضا بناتا ہے تو لامحالہ اسکو یہ خیال ہوتا ہوگا کہ جو کام مین نے

بنایا ہے انہیں جان ڈالنا میری قدرت سے باہر ہے۔ اسطرح وہ
مجبور ہوتا ہے کہ خدا کا خیال اُسکے دل مین آوے اور وہ سمجھے کہ وہی
جان آفرین ہے۔ اور اسطرح اُسکے علم مین ترقی ہوتی ہے"

سولھوین اور سترھوین صدی کی بہت سی نفیس ہاتھی دانت پر
کھنچی ہوئی چھوٹی چھوٹی تصویرین اور قلمی کتابون کی کاغذی تصویرین
اور شاہی بیاضون کی تصویرین ابتک موجود ہین۔ اُنسے برنیر صاحب
کی تعریف کی پوری تصدیق ہوتی ہے۔ انمین خوبی یہ ہے کہ
ہر طرح کے مختلف سامان چھوٹی سی تصویرمین دیکھ لیجیے۔ اور رنگ اور
عکس تو اس صفائی کے ساتھ دیے ہین کہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔
ان تصویرون مین بادشاہون شہزادون اور امیرون کی شبیہین بھی
ہین۔ برنیر صاحب کا اعتراض جو کچھ ہو مگر ان شبیہون سے ضرور یہ ظاہر
ہوتا ہے کہ مصورونکو صورتین بنانے مین پورا ملکہ حاصل تھا۔ منظرون
کی تصویرین بھی بہت دلکش ہین۔ اور بڑی صفائی سے بنائی گئی ہین*

* ارچی بالڈ کانسٹبل صاحب نے دو دلکش اور نادر یادگارین اس زمانہ کی
مصوری کی اپنی کتاب اورنگزیب سلیمینی مین شائع کی ہین تاکہ ہر کس و ناکس کو

میں شک نہیں کہ مسیحی مشنری جو آگرہ میں اور ہندوستان کے اور
شہروں میں رہتے تھے وہ اپنے ساتھ مغربی خیالات لائے تھے اور
ہندوستانی مصوری پر ان خیالات کا بہت کچھ اثر پڑا تھا۔ جہانگیر جیسا
کہ وہ خود لکھتا ہے تصویروں کا بہت شایق اور اعلیٰ درجہ کا مبصر تھا۔
کہا گیا ہے کہ بادشاہ مذکور ایک تصویر حضرت مریم کی ایک پردے کے پیچھے
رکھتا تھا تاکہ ہمیشہ دسترس میں ہو سکے۔ برنیر کے وقائع سیاحت کے پہلے صفحہ پر شاہجہان کی
شبیہ ہے اور سامرویل صاحب کی کتاب چین نامے میں جو ڈرائیڈن صاحب
کی نظم مرسومہ اورنگ زیب کے ساتھ شامل ہے ایک تصویر اکبر کی رات کو چوسر
کھیلنے کی لگی ہوئی ہے۔ یہ دونوں تصویریں ان اصلی تصویروں سے نقل
ہیں جو کرنیل ایچ بی ہینا صاحب کے مجموعہ میں موجود ہیں۔ کتاب ہذا کے
ابتدا میں جو تصویر اورنگ زیب کی لگی ہوئی ہے وہ ایک ہندوستانی مصور
کی تصویر سے نقل کی گئی ہے۔ یہ تصویر برٹش میوزیم کے البم میں موجود
ہے اور اس پر عنایت خان کی مہر اور سنہ ۱۱۰۲ھ (مطابق ۱۶۹۱ء) ثبت ہیں
اورنگ زیب کی یہ تصویر قریب زمانہ تخت نشینی کی تھی۔ یا شاید کسیقدر پہلے کی
ہو۔ یہ تصویر ہندوستانی تصویروں کے اعلیٰ درجہ کے نمونوں میں شمار کیجاتی ہے۔

رکھتا تھا۔ اور اس تصویر کی ایک نقل اُسی زمانہ مین بنائی گئی تھی اور وہ حسن اتفاق سے ابتک موجود ہے*۔ ٹیورنیر نے آگرہ کے ایک دروازہ پر ایک تصویر جہانگیر کے مقبرے کی دیکھی تھی۔ "اُسمین ایک بڑا سیاہ پوش جنازہ بنا ہوا ہے اور آس پاس بہت سی سفید موم بتیان روشن ہین اور دو مسیحی پادری پیچھے پیچھے چلے جاتے ہین۔ ٹیورنیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ شاہجہان نے اس تصویر کو اسوجہ سے رہنے دیا کہ خود اُسنے اور اُسکے باپ نے مسیحیون سے کچھ اصول ریاضی اور نجوم کے سیکھے تھے**"۔ اگسٹن فرقہ کے پادری منریک صاحب نے جو شاہجہان کے دور مین مسیحی مشنریون کے کام کا معائنہ کرنے کو آئے تھے لاہور مین آصف خان وزیر اعظم کے محل مین عیسائی اولیا کی تصویرین لگی دیکھی تھین۔ بہت سی مغلی تصویرون مین بادشاہ کے سر کے گرد طرح کا ابرِ ساد دکھائی دیتا ہے۔ اور آگرہ اور دہلی کے مصور دستکاری کو دیکھکر اُسی زمانہ کی ملک اطالیہ کی مصوری یاد آجاتی ہے

* یہ تصویر کرنیل ایچ بی ہینا کے مجموعہ مین ہے۔

** دیکھو تاریخ سیاحت ٹیورنیر جلد اول صفحہ ۱۱۱۔

دربار مین مصورون کی بڑی قدر تھی اور بہت سے مصورون کے نام
آج تک یادگار ہین۔ انکی تصویرون سے اُن عالیشان اور نفیس محلات
کی زینت دوبالا ہو جاتی تھی جو آج تک صفحۂ عالم پر مغل سلطنت کی
گواہی دے رہے ہین۔

مصورون کے کارخانون سے نکلکر اور پہرہ والون کی چوکیونکو
طے کرکے وہ مقام نظر آتا تھا جسکی طرف سب درباروالونکی آنکھین
لگی ہوتی تھین یعنی دیوان عام و خاص۔ یہ بڑا وسیع ایوان تھا
جسکے اوپر چھت تھی اور بڑے بڑے محراب دار در بنے ہوے تھے
بڑے دروازے کے سامنے دوسری طرف کو سلامی کیا ہوا
چبوترہ تھا۔ اس ایوان کی چھت ستونون کی قطارون کے سہارے
پر تھی۔ چھت پر بہت نفیس رنگ آمیزی کا شطری کام بنا ہوا تھا۔
عقب کی دیوار مین وہ مشہور جھروکہ تھا جو ابتک قائم ہے۔ یہ
بیچ کھلا ہوا تھا۔ یہان مغل بادشاہ روزانہ اپنے تخت پر جلوہ
افروز ہوتا تھا اُن سب آدمیون کو نظر آتا تھا جو وسیع میدان مین
جمع ہوتے تھے۔ داہنے بائین بادشاہ ہی کی نسل کے شہزادے

کھڑے ہوتے تھے اور نیچے کی طرف جہان ایک چاندی کا کٹہرہ
لگا ہوا تھا چاروں وزراے سلطنت اور بڑے بڑے سردار اور امیر
اور راجہ اور سلطنتہاے غیر کے سفیر جمع ہوتے تھے۔ یہ سب لوگ
نظرین نیچے کیے ہوے ادب کے ساتھ دست بستہ کھڑے رہتے تھے
اور شاہی ارباب نشاط اپنے دلکش نغمہ و سرود سے دلونکو لبھاتے
تھے اسکے آگے نیچے کی طرف کو چاندی کے کٹہرے کے باہر کیطرف
منصب داروں اور چھوٹے عہدہ داروں اور سردارونکی رنگین
پوشاکین اور جواہرات اور اسلحہ چمکتے نظر آتے تھے۔ اور ایوان کے
باقی کے حصہ مین اور سارے میدان مین ہر درجہ کی رعایا و
بڑے اور چھوٹے امیر اور غریب سب جمع ہوتے تھے اور سب کو
بادشاہ کی حضوری کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ مگر ایک دفعہ وہان
پہونچ جانے کے بعد جب تک دربار برخاست نہ ہو جاے کوئی
شخص وہان سے جا نہ سکتا تھا۔

جب کوئی شاہی تقریب ہوتی تھی تو بڑے جشن ہوتے تھے
اور یہانتک ہر جگہ یہ شعر لکھا ہوا تھا کہ ع اگر فردوس بر روے زمین ست

جشن بست و پنجم بست و ہشتم بست جنکی پوری تصدیق ہوتی تھی - اور شاہنشاہ کی آمد آمد ہوتی تھی تو صدر دروازہ کے اوپر نوبت خانہ سے نوبت بجنی شروع ہو جاتی تھی -

جہان پناہ بہت زرق برق پوشاک پہنے ایوان عالیشان کے آخری حصہ مین تخت پر جلوہ افروز ہوتے تھے - سفید نازک پھولونکی ململ کا جامہ اُس پر زری اور ریشم کا نفیس کام - زربفت کا سرپیچ اسمین بیش قیمت اور بڑے بڑے ہیرون کا طرہ اور بیچون بیچ مین ایک بیضوی زبرجد کہ مثل آفتاب کے چمکتا تھا گلے مین گردن سے لیکر پیٹ تک کا بڑے بڑے موتیون کا ہار - تخت مین چھ بڑے بڑے پائے لگے ہوے تھے کہا جاتا ہے ٹھوس سونے کے تھے اور جابجا یاقوت اور الماس اور زمرد جڑے ہوے تھے - یہ تخت شاہجہان نے بنوایا تھا اور مقصود یہ تھا کہ اُن بیشمار جواہرات کو دکھلایا جاوے جو پرانے راجاؤن اور پٹھانون کی لوٹ سے خزانۂ عامرہ مین آئے تھے اور سال بسال جشنون کے موقعون پر سب امراے نذرون مین پیش ہوے تھے* - تخت کے نیچے ایک چبوترہ تھا جسپر کنخواب کا

* ٹیورنیر نے مشہور تخت طاؤس کا حال بہت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے سو دیکھنا چاہئے

شامیانہ لگا ہوا تھا اور مقیش کی جھالر لگی ہوئی تھی۔ اس چبوترہ پر سب
اُمرا لباس فاخرہ پہنے ہوئے جمع ہوتے تھے۔ ایوان کے ستونوں پر
زربفت منڈھا ہوا اور پھولدار اطلس کے شامیانے سارے ایوان
میں لگے ہوئے تھے۔ انمیں ریشمی ڈوریاں بندھی ہوئی تھیں اور جا بجا
ریشم اور مقیش کے پھندنے لٹکتے تھے۔ نیچے بہت لمبے چوڑے ریشمی قالین

* کہ تخت مذکور ایک چارپایوں کی بڑی چوکی کی وضع کا تھا (اُسمیں چھ پائے تھے) برپہ
تقریباً دو فٹ اونچا تھا۔ تخت کے اوپر بارہ کھمبوں کا ایک سائبان لگا ہوا تھا اسمیں موتیونکی
لڑیوں کے حلقے بنے ہوئے تھے اور اُن حلقوں میں شاہی شمشیر و گرز و سپر و تیر و کمان
آویزاں تھے۔ تخت پر سونے کا پتر چڑھا ہوا تھا اور ہیرے زمرد موتی اور یاقوت جڑے
ہوئے تھے چتر کے اوپر ایک طلائی طاؤس دُم پھیلائے ہوئے کھڑا تھا۔ اُسکی دُم نیلم
اور اور جواہرات کی بنی ہوئی تھی۔ طاؤس کے دونوں طرف طلائی پھولوں کے گلدستے تھے
اُنمیں بھی قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے آسکے سامنے چتر شاہی لگا ہوا تھا۔ اُسکی جھالر موتیوں
کی تھی۔ اور سوائے بادشاہ کے اور کوئی شخص چتر نہ لگا سکتا تھا۔ تخت مذکور طہران میں
شاہ ایران کے محل میں ہنوز موجود ہے۔ اور اُسکی قیمت کا اندازہ دو کروڑ ساٹھ لاکھ کا
کیا جاتا ہے۔ برنیر اور ٹیورنیر اسکی قیمت اور زیادہ بتاتے ہیں۔

بچھے ہوے تھے ۔ باہر میدان مین ایک خیمہ نصب تھا جسکو اسپک کہتے
تھے یہ ایوان سے ملا ہوا تھا اور ایوان سے بھی زیادہ وسیع تھا
آدھا میدان اسی کے سایہ مین آجاتا تھا چارون طرف ایک بہت
بڑی قنات گِھری ہوئی تھی اور اُسپر چاندی کے طبق لگے ہوے تھے
شامیانے کی چوبون پر چاندی منڈھی ہوئی تھی تین چوبین اسقدر
موٹی اور اونچی تھین جیسے جہازون کے مستول ہوتے ہین ۔ باقی
چھوٹی چھوٹی تھین ۔ یہ وسیع خیمہ باہر سے سرخ تھا اور اندر کی طرف موٹی
چھینٹون کا استر تھا جنپر بیلین اور پھول ایسے خوشنما اور آبدار بنے ہوے
تھے کہ سچ مچ باغ کِھلا ہوا معلوم ہوتا تھا ۔

میدان کے آس پاس جو مکانات کی قطارین تھین اُنمین سے
ایک ایک ہر امیر کے متعلق تھی اور حکم تھا کہ سب اپنے اپنے خرچ سے
اُنکو آراستہ رکھین ۔ امیرون کو برابر یہی فکر رہتی تھی کہ دیکھین کسکے مکان
کی آرائش کو جہان پناہ سب سے زیادہ پسند کرتے ہین ۔ چنانچہ سارے
قنات اوپر سے نیچے تک کمخواب سے منڈھ دیے گئے تھے اور نیچے بڑے
قیمتی قالین بچھے ہوے تھے ۔"

برنیر نے جو یہ تصویر آراستہ بہ تفصیل کے ساتھ کھینچ کر دکھلائی ہے
تو یہ موقع بہت شان و شوکت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس آرایش اور فضول خرچی
کی تاویل یون کیجاتی ہے کہ یہ بھی اورنگ زیب کی نیک نیتی تھی کہ
سوداگرون کو موقع ملے کہ تخت سلطنت کیواسطے لڑائی بھڑائی ہوتے
رہنے کی وجہ سے جو عرصہ تک خرید و فروخت بند رہی اور کمخواب اور
زربفت کے تھان انکے کارخانون مین جمع ہوگئے انکی نکاسی ہوجا[illegible]
مگر اسی قسم کے جشن اس سے کسیقدر کم شان و شوکت کے ساتھ ہر سال
ہوتے رہتے تھے مختلف سالگرہین ہوتی تھین۔ انمین سب سے بڑی
جہان پناہ کی سالگرہ ہوتی تھی۔ اس موقع پر حسب دستور قدیم بادشا[ہ]
کو سونے کے ترازو مین بٹھا کر سونے چاندی اور جواہرات اور کھانے
سے تولتے تھے اور دوسرے دن یہ سب چیزین نمایشی طور پر غربا کو
تقسیم کردیجاتی تھین۔ سب امیر اور سردار بیش بہا تحایف نذر مین پیش
کرتے تھے بعض اوقات انکی مجموعی مالیت دو دو کرور کی ہوجاتی تھی
کبھی کبھی ان موقعون پر بڑے بڑے سردارون کی بیبیان محلسرائے
شاہی مین مینا بازار لگاتی تھین اور زربفت اور کمخواب کے کامدا[ر]

پیچ او ر گلکاری اور زردوزی سے کرتیتے بادشاہ او ر بیگمات اور
شہزادیون کے ہاتھ بڑی بڑی قیمتون کو فروخت کرتی تھین قیمت
ین زیادتی بیچنے والی کے حسن اور حاضر جوابی پر منحصر ہوتی تھی۔ دام
کانے مین خوب خوب مذاق ہوتے تھے۔ اور بہت سی کم سن بیبیان
ی بازار مین ایسا نام پیدا کرلیتی تھین کہ جب کسی دربار کے معزز آدمی
ے اُنکی شادی کا وقت آتا تھا تو یہ اعزاز اُنکے بہت کام آتا تھا۔
وا ے بادشاہ کے اور کوئی شخص ان حسینان روزگار کو بے نقاب
ر دیکھ سکتا تھا۔ مگر مغل بادشاہ اور اُسکی بیگمات کو جوڑے لگا لے
ب آتے تھے اور اپنے اپنے منظور نظر کے واسطے وہی کچھ خوب
ادیان ٹھہراتے تھے۔ جشن کے آخر مین اکثر ہاتھیون کی لڑائی
وتی تھی اور اسکا رواج ہندوستان مین ایسا ہی عام تھا جیسا سپین
ین بیل لڑانے کا رواج تھا۔ ایک ہاتھی اِدھر سے چھوڑا جاتا تھا
یک اُدھر سے بیچ مین ایک کچی مٹی کی دیوار ہوتی تھی۔ اسکو ہاتھی
ڑواتے تھے۔ پھر دونون ہاتھیون کی شکین لڑتی تھین اور دانتون
ور سونڈون سے جنگ ہوتی تھی۔ آخر کار ایک غالب آجاتا تھا۔

دوسرا زمین پر گر جاتا تھا۔ جو جیت جاتا تھا اُسکو مغلوب مقابل سے یون الگ کرتے تھے کہ اُس مقام پر دونون کے بیچ مین آتشبازی رکھکر آگ لگا دیتے تھے۔ مہاوتون کی شامت تھی۔ اکثر ہاتھی کے پانون کے نیچے کچل کر وہین مرجاتے تھے۔ یہان تک کہ جب یہ جان جوکھون لڑائی ہوتی تھی تو ہاتھی پر سوار ہونے سے پہلے مہاوت اپنے گھروالون سے رخصت ہو کر اور آخری سلام کر کے جاتے تھے۔ باوجود اسکے کہ ان لوگون کی بزدلی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اورنگ زیب کے درباروالون مین ابتک پرانے وحشی مغلی خون کا جوش اسقدر باقی تھا کہ وہ ان خطرناک اور نکالم مانند تماشون سے بہت خوش ہوتے تھے۔ دربار مین جو تماشے ہوتے رہتے تھے اُنمین سے اکثر جنگی ہوا کرتے تھے۔ اور باوجود اسکے کہ مغلون کی عادتین عیش پسندی کی ہوگئی تھین اور کپڑے بھی زنانے ہی سے پہننے لگے تھے تاہم اب بھی اُنمین بہادری اپنی جھلک دکھا جاتی تھی۔ اور شکار کی شائقی تو اس قوم سے شاید ہی کوئی قوم رہی ہو۔

جہانگیر اور شاہجہان کے پہلے زمانے مین حسین حسین کنچنیان شاہی
جشنون مین بہت لطف دکھاتی تھین۔ اور رنگین مزاج بادشاہ آدھی آدھی
رات تک انکا ناچ اور کرتب دیکھنے کے واسطے جاگتے رہتے تھے۔ مگر
اورنگ زیب تو زاہد خشک تھا۔ اُسکے حساب ناچ دیکھنا اور بُت پرستی
کرنا برابر تھا۔ اُسنے ناچ گانے کو جڑ بنیاد سے مٹا دینے کی بہت
سخت کوشش کی۔ اور رسول مقبول کی ہدایت کے بموجب عمل
کیا کہ رسول ممدوح کو خود موسیقی سے شوق نہ تھا اور بلا تامل اُنکی
نسبت یہ ارشاد فرمایا تھا کہ راگ شیطانی فعل ہے۔ ہندوستان کے
موسیقی پیشہ والون کی زندگی فی الواقع ایسی تھی کہ وہ اورنگ زیب
جیسے کھرے مزاج کے آدمی کے موافق نہ ہو سکتی تھی۔ اور ان کے
جلسون مین تہذیب کا نام نہ تھا۔ بادشاہ نے انکو تباہ کرنے کی ٹھانی
اور ایک بہت سخت فرمان جاری کر دیا۔ پولیس والے ان کی
کی جائی مجلسون کو منتشر کرنے لگے اور طبلے سارنگی جلا دیے گئے
ایک دن جمعہ کو اورنگ زیب مسجد مین نماز پڑھنے جاتا تھا۔ کیا دیکھتا
ہے کہ ایک جنازہ جا رہا ہے اور بہت سے گوئیے اسکے پیچھے پیچھے

بڑے زور شور سے ماتم کرتے اور کہرام مچاتے چلے جاتے ہین۔ اُد
معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے شہزادے کو دفن کرنے جارہے ہین۔ باد
نے دریافت کرنے کو آدمی بھیجے۔ عرض کیا کہ یہ موسیقی کا جنازہ
جہان پناہ کے حکم سے موسیقی قتل ہوگئی اُسکی اولاد اُسکے واسطے
ماتم کرتی ہے۔ اورنگ زیب نے بہت متانت کے ساتھ کہا "مجھے
ان لوگون کی نرم دلی بہت پسند آئی۔ بہتر ہوگا کہ اس کمبخت کو
بہت گہری قبر مین دفن کیا جائے کہ پھر اسکی آواز نہ سنائی دے"
سردارون اور امیرون کے محلون مین تو جلسے ہوتے ہی رہے مگر
دربار سے اسکا چرچا بالکل اُٹھ گیا۔ بادشاہ نے موسیقی پیشہ لوگون کو
راہ راست پر لانے کی کوشش بلیغ کی اور جو لوگ راہ راست پر آگئے
اُنکے وظیفے مقرر کرکے اُنکی عزت بھی بڑھائی۔

معمولی طور سے روز کے جلسون مین جب جشن کا زمانہ نہین ہو
تھا تب بھی دربار عام خاص مین بہت رونق ہوتی تھی۔ کوئی دن
ایسا نہ ہوتا تھا کہ بادشاہ جھروکے پر نہ آئے۔ اُمرا نیچے استادہ ہوتے
تھے۔ اور عوام کا مجمع میدان مین ہوتا تھا۔ سب اپنی اپنی فریادین

ور عرض معروض جہان پناہ کے حضور مین کرتے تھے اور داد انصاف
تے تھے۔ معمولاً دربار دو گھنٹے ہوتا تھا۔ اسی عرصہ مین شاہی خاصہ
کے گھوڑے اصطبل سے نکالکر میدان مین لائے جاتے تھے اور ایک
قررہ تعداد انکی ہر روز ملاحظہ شاہی سے گزرتی تھی۔ ہاتھی نہلائے
جاتے تھے رنگے جاتے تھے۔ جسم پر کالک لگائی جاتی تھی اور
ستک پر دو لال لکیرین بنادی جاتی تھین۔ پھر کارچوبی جھولین
پہناکر اور زیور اور چاندی کی زنجیرون اور گھنٹون سے آراستہ ہوکر
عالم پناہ کے سامنے آتے تھے۔ اور اپنے مہاوتون کی بولی اور
اشارہ پر سونڈ اٹھاکر تسلیم بجالاتے تھے۔ شکاری کتے باز
شکاری چیتے گینڈے بھینسے اور لڑائی کے ہرن باری باری
سے ملاحظہ شاہی سے گزرتے تھے۔ مقررہ بھیڑون پر شمشیر آزمائی ہوتی
تھی اور سردارون کی فوجونکا جائزہ لیا جاتا تھا۔

"مگر یہ سب باتین بڑے بڑے اہم کامون کا پیش خیمہ ہوتی
ن۔ بادشاہ یہی نہین کرتا کہ بہت توجہ کے ساتھ اپنے سوار نگا
ائزہ لیتا ہو بلکہ جب سے لڑائی ختم ہوئی ہے ایک بھی سوار یا پیادہ

ایسا نہین ہے جسے اُسنے بچشم خود نہ دیکھا ہو اور جس سے وہ بذات خاص
واقف نہو۔ کسی کی تنخواہ مین اضافہ کرتا ہے کسی کی تنخواہ کم کرتا ہے کسی کو
بالکل موقوف کر دیتا ہے دربار عام خاص مین جو عرضیان گزرتی ہین وہ
بادشاہ کے سامنے آتی ہین اور پڑھکر سنائی جاتی ہین اور عرضی دینے
والونکو سامنے آنے کا حکم ہوتا ہے۔ پھر بادشاہ خود اُنسے حال پوچھتا ہے
اور اکثر اُسیوقت مظلوم کی داد کو پہونچتا ہے۔ ہفتہ مین ایکدن دو گھنٹہ تک
عرضیان ایسے اشخاص کی خلوت مین پیش ہوتی ہین جنکو ایک دولتمند ضعیف
آدمی نیچے درجہ کے لوگون سے منتخب کر لیتا ہے۔ اور ایکدن ہر ہفتہ
بادشاہ برابر دو قاضیونکو لیکر اپنے دار القضا مین آتا ہے۔ ان باتون سے
ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ ہملوگ ایشیائی بادشاہونکو وحشی سمجھتے ہین تاہم وہ
اُس انصاف گستری سے غافل نہین رہتے جو اُنکی رعایا کا حق ہے۔*
کچھ دربار عام خاص ہی کے ساتھ بادشاہ کی روزانہ ملاقاتون کا خاتمہ
نہین ہو جاتا تھا۔ شام کیوقت سب سردارونکو غسلخانہ مین حاضر ہونیکا حکم
تھا۔ یہ ایوان عام خاص کے پیچھے ایک چھوٹے خلوتخانہ کے طور پر بنا ہوا

* منقول از وقائع سیاحت ڈاکٹر برنیر۔

آرائش میں ایوان مذکور سے کم درجہ کا نہیں ہے۔ یہاں بادشاہ کے
دربار والے پھر جمع ہوتے تھے۔ افسروں سے ملاقاتیں ہوتی تھیں ان کی عرائض
سنی جاتی تھیں اور اہم معاملات سلطنت پر غور ہوتا تھا۔ ان ملاقاتوں
میں بھی آداب و مراسم کا لحاظ ویسا ہی ہوتا تھا جیسا صبح کے وقت ہوتا تھا
اور فوج کے جائزہ کی گنجائش نہ ہوتی تھی۔ صرف وہی افسر جو پہرہ پر مامور
ہوتے تھے بادشاہ کے سامنے ٹہلتے رہتے تھے۔ اور لوازم شاہی وماہی مراتب
یعنی چاندی کی مچھلی تمغہ شیر ببر دست اور میزان جن سے مختلف
مدارج شاہانہ کا اظہار ہوتا تھا لیے رہتے تھے

دربار عام خاص کے ایوان کے قریب شاہی مسجد تھی جسکے برج سنہری
تھے۔ اورنگ زیب روزانہ اسی مسجد میں نماز پڑھتا تھا۔ جمعہ کے دن بڑی شان
شوکت کے ساتھ جامع مسجد میں جاتا تھا۔ اس مسجد کی تعمیر شاہجہان نے
اپنے تخت سے علحدہ ہونے سے کچھ ہی پہلے ختم کی تھی۔ یہ مسجد ایک سنگی چبوترہ
پر دہلی میں ایک وسیع چوراہہ پر واقع ہے۔ جلوس نکلنے سے پہلے سڑک پر
چھڑکاؤ ہو جاتا تھا اور سپاہی رستہ صاف کرتے جاتے تھے۔ ایک رسالہ
سواروں کا آگے آگے ہوتا تھا جس سے معلوم ہو جاتا تھا کہ اورنگ زیب کی آمد آمد ہے

فوراہی بادشاہ بھی سامنے آجاتا تھا۔ اُسکے سر پر چتر شاہی لگا ہوتا تھا اور زیور آراستہ ہاتھی پر یا اٹھ کہار ونکے قیمتی چکدار تامجان پر سوار ہوتا تھا۔ اور پیچھے پیچھے سردار امرا اور افسران دربار اور عصا بردار گھوڑون یا پالکیون پر آتے تھے

برنیر آخر مین لکھتا ہے کہ "اگر ہم اس ہندوستان کے دارالسلطنت کا جایزہ لین اور اسکی عظیم وسعت اور بیشمار دوکانونکو دیکھین اور ساتھ ہی اسکے یہ بھی خیال کرین کہ علاوہ امرا کے اس شہر مین فوج کی تعداد بھی پینتیس ہزار سے کم نہین ہے اور قریب قریب سب فوج والونکے بیوی بچے اور بہت سے نوکر مین جو شل اپنے مالکونکے الگ الگ مکانون رہتے ہین اور عام طور سے کہین کوئی ہو کوئی مکان ایسا نہین ہے جسمین عورتین اور بچے نہ بھرے ہون اور ان اوقات مین جب گرمی اسقدر کم ہو جاتی ہے کہ لوگ باہر نکل سکین سب سڑکین باوجود اسکے کہ بہت وسیع ہین اور باوجود اسکے گاڑیان بہت کم چلتی ہین آدمیونسے بھری ہوئی نظر آتی ہین تو اس مشاہدے رائے دینے مین تامل ہوتا ہے کہ دہلی کی آبادی پیرس کی آبادی سے مقابلہ مین کم ہے یا زیادہ۔ میری رائے مین اگر اس شہر کی آبادی بمقابلہ دارالسلطنت کے کچھ کم بھی ہوگی تو برائے نام ہی کم ہوگی"

چھٹا باب

سلطنت

پرانے سیاحون کی اصطلاح مین جن لوگون کو ترک کہتے تھے اُنمین سے کسی کی تعلقات کافرون اور رافضیون کے ساتھ ایسے نازک اور مشکل نہین ہوے جیسے کہ مغل اعظم کے۔ اسی سترھوین صدی مین قسطنطنیہ کے سلطان اعظم کو ہنگری اور یونان مین اپنی عیسائی رعایا کے ساتھ کچھ دقتین ضرور پیش آئی تھین۔ مگر اورنگ زیب کو ایسی رعایا پر حکمرانی کرنی تھی جنمین سے تین چوتھائی کو وہ کافر کہتا تھا۔ اور پھر طرہ یہ کہ حکمرانی بھی اُن افسرون کی مدد سے کرنی تھی جو ایک کٹّے سنّی کے اعتقاد کے مطابق پورے رافضی تھے۔ اُسکی رعایا کا بہت بڑا حصہ ہندوون کا تھا۔ اُسکے باپ کے عمدہ ترین گورنر اور سپہ سالار شیعہ نسل کے ایرانی تھے۔ اور اورنگ زیب باوجود اپنے تعصب کے خوب سمجھتا تھا کہ بغیر ان آزمودہ کار افسرون کے کام چلانا دشوار ہے۔ خصوصاً

ایسی حالت مین کہ ہندوون کے بڑے بڑے معزز لوگون کو سرنگون کرنا
مقصود ہو۔ کسان بیچارے تو خود ہی پامال ہو چکے تھے وہ اورنگ زیب
کو جلا کیا ستاتے۔ مگر ہندو سردار اور راجپوت نسل کے بیشمار راجہ
جو سلسلۂ کوہ اراولی کے پہاڑی قلعون اور ہندوستان کے بڑے
ریگستان مین مسکن پذیر تھے اُنسے تخت سلطنت کو ہمیشہ خطرہ لگا رہتا
تھا۔ اِس ملک کے راجاؤن کی تعداد دو سو سے اوپر تھی اور بعض بعض
ایسے تھے کہ بیس ہزار سوار لیکر لڑنے کو مقابل ہو جاتے۔ یہ لوگ
شمالی ہندوستان کے ہندوون کی طرح ڈرپوک نہین تھے۔ بڑے لڑنے والے
بڑے جانباز عزت اور قوم کے واسطے جان دینے والے۔ اسم
حق اور اپنے سردارون کے واسطے سوائے فتح کرنے اور مرجانے
اور کچھ نہ جانتے تھے۔ جسنے یہ تماشا دیکھا ہو کہ کسطرح راجپوت لوگ
بھنگ کی ترنگ مین مست اور ہلدی کے نارنجی ٹیکے لگائے ہوے
جان سے ہاتھ دھو کر میدان مین گھس پڑتے تھے اور غنیم پر حملہ کرتے
تھے وہ کبھی اسکو بھول نہین سکتا۔ اگرچہ راجہ اپنی فوجون کو متفق کر
تو غالب یہ ہے کہ کوئی مغلی فوج ویسی نہ ہو سکے انکے مقابلہ کی تاب نہ لا سکتی

مگر سلطنت کی خوش نصیبی ہے یہ لوگ آپس کی پھوٹ کی وجہ سے
کمزور ہوگئی تھی اور اورنگ زیب سا شخص اس کمزوری سے فائدہ
اُٹھانے مین کب چوکنے والا تھا۔ وہ ایک کو دوسرے سے بھڑائے
رکھتا تھا۔ علاوہ اسکے اکبر کے صلح کل مزاج کے باعث اور نیز اُسکے
لڑائیون مین فتحیاب رہنے کی وجہ سے راجپوت سردار بہت کچھ مسلمانون
کے حامی ہوگئے تھے۔ ہندوستان کی تاریخ مین بہت کم مثالین اس
سے زیادہ سبق آموز ہونگی کہ اکبر کی عاقلانہ اتفاق پسندی کے باعث
ہندو سردار کس طرح اُس سے ملکر رہے۔ ٹوڈرمل ہندو ہی تھا جسنے
بنگالہ کو زیر کرکے تخت شاہی سے وابستہ کیا اور پھر سلطنت کا مالی
انتظام درست کیا۔ ہندو سپہ سالار اور برہمن شاعر اکبر کی فوجون کی
سپہ سالاری کرتے تھے اور بعض بعض بڑے بڑے صوبون کی حکومت
بھی اُن ہی کے سپرد تھی۔ جہان تعلیم کی ضرورت تھی وہان سب
محکمون مین ہندو ہی لوگ زیادہ تر تحریری کا کام کرتے تھے۔ اور
راجپوت ہی لوگ اسکی فوج کے دست و بازو تھے۔ ہر مغل بادشاہ نے
حتیٰ کہ اورنگ زیب سے کٹّے مسلمان نے بھی اکبر کی اس حکمت عملی پر

عمل درآمد جاری رکھا کہ راجپوت رانیون سے شادی کرے اور
اپنے لڑکون کے واسطے راجپوت بہوئین بیاہ کر لائے۔ اس سے
رانیون کے دھرم کا جو نقصان ہوتا تھا وہ ظاہر ہی ہے راجپوتی
غرور کو بھی اس سے بہت صدمہ پہونچتا تھا۔ مگر ساتھ ہی اسکے
ان تعلقات سے جو فوائد مترتب ہوتے تھے اُنسے بہت کچھ تلافی
بھی ہو جاتی تھی اور اسمین شک نہین کہ بالآخر یہ فائدہ ضرور ہوتا
تھا کہ ہندوستانی سردارون کے تعلقات تخت شاہی کے ساتھ
بہت مستحکم ہو جاتے تھے۔

دکن والے فرقے تو درکنار راجپوت اور پٹھان اور ایرانی
یہ سب فرقے بھی ایسے تھے کہ انپر حکمرانی کرنے مین اورنگ زیب کو
دانتون پسینا آتا ہوگا۔ چنانچہ اُسکا پہلا کام بغرض حفاظت خود اختیاری
یہ تھا کہ اسقدر فوج اپنے تخت مین جمع کرے کہ ہر ایک فرقہ بجائے خود
مرعوب ہو کر بغاوت سے باز رہے۔ اسمین شک نہین کہ اورنگ نیب
یہ بھروسہ ضرور رکھ سکتا تھا کہ اسکے رفیق راجا اپنے جانباز سوار دکھن
لیکر دکھن کی شیعہ سلطنت کے مقابلہ مین اُسکا ساتھ دینگے یا

افغانستان کے مقابلہ مین ساتھ رہینگے یا اپنے راجپوت بھائیون
کے مقابلہ مین بھی مدد کرینگے مگر شرط یہ تھی کہ شاہی کام ایسا ہو کہ
راجپوتون کے آپس کے جھگڑون کے مناقض نہ پڑے پٹھانون
یا ہندوون سے لڑائی ہو تو اورنگ زیب یہ بھروسہ کرسکتا تھا کہ
میرے ایرانی افسر میرا ساتھ دینگے۔ لیکن اگر اُنکے ہم مذہب دکن
والے شیعون سے جنگ ہو تو ہرگز انکی رفاقت پر اعتماد نہین ہوسکتا
تھا۔ اُسکو ایسی فوج کی ضرورت تھی جو اُسکی ذات خاص سے بلا شرکت
غیرے وابستہ ہو۔ اُسے ایسی فوج کی ضرورت تھی جسکے سپاہی صلہ
ملنے اور ترقی درجات پانے کی اُسی سے امید رکھین بلکہ اُسی کو
اپنی روزی کا سہارا سمجھین۔ اورنگ زیب نے سمجھ لیا کہ یہ ترکیب
اسی طرح بن آئے گی کہ اکبر کے جاگیری طریقہ کو پھر زندہ کردے۔
جسطرح خلفائے عباسیہ کو امن و عافیت اور استحکام سلطنت اس
طریقے سے نصیب ہوا تھا کہ انھون نے اپنے صوبان کے حاکم عرب
فرقون کے سرکش سردارون مین سے منتخب نہین کیے تھے بلکہ اپنے
ہی کمتر لوگون مین سے مقرر کیے تھے جو کچھ بڑے خاندان والے نہ تھے

اور اپنے آقاؤن کے ساختہ و پرداختہ ہونے کے باعث اُنکے
فائدہ کو اپنا فائدہ سمجھتے تھے اسی طرح مغل بادشاہون نے یہ کوشش
کی کہ اپنی ذات خاص سے چند ایسے لوگون کو وابستہ کرلین جو
کچھ خاندانی نہون بلکہ پہلے شاید غلام ہی رہے ہون اور جاہل
محض ہون اور جو اپنی دولت و اقتدار کو عطیہ شاہی سمجھین
اور جنپر بادشاہ کو یہ اختیار حاصل ہو کہ جب جی چاہے عروج
پر پہونچا دے اور جب مزاج مین آئے خاک مین ملا دے ـــ
یہ لوگ منصبدار کہلاتے تھے کیونکہ انمین سے ہر ایک کو بادشاہ
کی طرف سے کچھ آمدنی نقد یا اراضی کی صورت مین ملتی تھی منصبدار کی
جاگیر یعنی منصبدار کے علاقہ کا حال بجنسہ عثمانی تمردارون کی
تمر کا سا یا مصری مملوکون کی ملک کا سا تھا منصبون کے درجے
عام اس سے کہ وہ نقدی کے ہون یا اراضی کے بڑی احتیاط سے
مقرر کیے گئے تھے ـــ اور جسطرح روسی تعلقدارون مین بہت سے
درجے ہوتے ہین اسی طرح منصبدارون کے بھی بہت سے
درجے رکھے گئے تھے ـــ ان درجون مین امتیاز اسطرح پر رکھا گیا تھا کہ

مختلف درجہ والے مختلف تعداد کے گھوڑے اپنے پاس رکھتے
تھے چنانچہ بعض پنجصدی تھے بعض یکہزاری بعض پنجہزاری
اور بعض دوازدہ ہزاری بھی۔ یکہزاری سے لیکر اوپر کے درجہ
والے امیر کہلاتے تھے کہ جسکی جمع اُمرا ہے۔ یورپین سیاحوں
کے سفرناموں میں اکثر اُمرا کا تذکرہ ہے۔ انکو ان لوگوں نے
سردار بھی لکھا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ
سرداری محض سرکاری ہوتی تھی اور اسکو خاندانی یا موروثی
علاقوں سے کوئی واسطہ نہ ہوتا تھا۔ مگر پنجہزاری امیر سے وہی
عہدہ دار نہ ہوتا تھا جسکے پاس پانچ ہزار گھوڑے ہوں حالانکہ
اصل میں اس سے مراد یہی رکھی گئی تھی۔ یہ خطاب محض اعزاز
کے لیے ملتا تھا اور جتنے سوار ہر امیر کو رکھنے ہوتے تھے انکی تعداد
بادشاہ خود مقرر کر دیتا تھا۔ پنجہزاری امیر کو بعض اوقات صرف
نو سو سوار رکھنے کا حکم ہوتا تھا۔ باقی محض کاغذی کارروائی
تھا۔ فی الواقع جتنے گھوڑوں کا منصب ہوتا تھا اُس سے
کہیں کم تعداد کے گھوڑے رکھے جاتے تھے۔ اور غلط نقشے

فوج کی تنخواہین برآمد کرنے کو بھیجے جاتے تھے اور کبھی کبھی سوارونکی
تنخواہین کاٹ بھی لیجاتی تھین - اسطرح منصبدارون کو آمدنی کثیر
ہوتی تھی - پھر بھی دربار کے خرچ اور امیرون کے فضول کارخانون اور
نوکر چاکرون کے رکھنے کی وجہ سے اور نیز اُن بیش بہا تحایف کی
وجہ سے جو سالانہ جشنون مین بادشاہ کو پیشکش کرنے ضروری تھے
یہ سب آمدنی خالصے لگ جاتی تھی اور یہ لوگ بہت مقروض رہتے
تھے - برنیر کے زمانے مین چوبیس تیس اونچے درجے کے منصبدار
برابر دربار مین موجود رہتے تھے جو یکہزاری سے لیکر دوازدہ ہزاری
درجہ تک کی تنخواہین برآمد کرتے تھے - مضافات و صوبجات کے منصبدار
کی تعداد مذکور نہیں ہے مگر ضرور کثیر ہو گی - علاوہ انکے یکہزاری سے کم
درجے کے منصبدار تو بیشمار تھے - انمین سے کم سے کم دو تین سو برابر
حاضر دربار ہوتے تھے - ان ادنی درجہ والون کو ڈیڑھ سو سے سات
روپیہ تک ماہوار تنخواہ ملتی تھی اور دو سے لیکر چھ گھوڑے تک رکھتے
تھے - انکے نیچے روزینہ دار ہوتے تھے جنکو روزانہ تنخواہ ملتی تھی اور
محرر اور منشی کا کام کرتے تھے - امیرون اور منصبدارونکے سوارون کو

تنخواہ بحساب پچیس روپیہ ماہوار فی اسپ ہوتی تھی مگر ہمیشہ اپنے
مالکوں سے پوری تنخواہ نہ پاتے تھے۔ معمولاً ایک ایک سوار کے
پاس دو دو گھوڑے ہوتے تھے اور ایک گھوڑے والا سوار لنگڑا
سمجھا جاتا تھا۔

امیروں اور نیز چھوٹے منصب داروں کی جاگیروں اور مناصب
کا برقرار رکھنا نہ رکھنا بادشاہ کی خوشی پر منحصر تھا۔ جب منصب دار
مرجاتا تھا تو قانون رائج الوقت کے مطابق اُسکا خطاب اور جائداد
سب بحق سرکار ضبط ہو جاتی تھی۔ اور اُسکے بیوی بچوں کو از سر نو
اپنے پیٹ کی فکر کرنی پڑتی تھی۔ عام طور سے تو یہی ہوتا تھا کہ بادشاہ
منصب دار متوفی کی زبردستی جمع کی ہوئی دولت میں سے کچھ گزارہ
اُسکے متوسلین کے واسطے مقرر کر دیتا تھا۔ اور منصب دار لوگ اکثر
اپنے جیتے جی اپنے بیٹوں کے واسطے بھی جاگیر مقرر کرا لیتے تھے۔ بہت
امیر یا اُنکے وارث بہت ہوشیار ہوتے تھے وہ اپنی دولت کو خوب
چھپاتے تھے اور اس شاہی قانون کا منشا کہ متوفی کے مال کی
سرکار مالک ہوگی بالکل فوت ہو جاتا تھا۔ اور یہ مسئلہ حل طلب

کہ جس طرح اورنگ زیب نے اپنی تحریرون مین اس نامعقول اصول
کی برائی کی ہے کہ جاگیردار کی جاگیر بھی سرکار ضبط ہو جاے اور
اُسکے وارث محروم کردیے جائین اسیطرح وہ عمل درآمد مین بھی اسپر
کاربند تھا یا نہین - بہرحال منصب دارون کی تنخواہ وار فوج کی
نگرانی کے شاہی ہاتھون مین رکھنے کا جو مقصود تھا وہ منصب کی
ایمانداری سے بخوبی حاصل ہوجاتا تھا -

مثلی تنخواہ وار فوج کا بڑا حصہ تو وہی سوارون کی فوج تھی جو
امیرون اور چھوٹے درجہ کے منصب دارون اور اُنکے ساتھیون
کے پاس رہتی تھی - راجپوت راجاؤن کی فوج کو بھی ملا لیجیے کہ انکو
بھی شاہی خزانہ سے مدد خرچ ملتا تھا تو کام کے سوارون کی تعداد
برنیر کے زمانہ مین (١٦٥٩-٦٦ء) دو لاکھ تھی - انہین سے شاید چالیس
ہزار سوار خود بادشاہ کے پاس رہتے تھے - باقاعدہ پیدل فوج
کچھ زیادہ کام کی نہ تھی - بندوقچی اُسی حالت مین خاصی طور پر فیر
کرسکتے تھے کہ جب وہ زمین پر اپنی بندوقون کو اُس لکڑی کے اوپر
ٹیک لین جو بندوق مین لگی ہوئی تھی - اِن لوگون کو اپنی ڈاڑھی کے

جل جانے اور بندوق کے پھٹ جانے کا بڑا خوف رہتا تھا۔
دار السلطنت مین تقریباً پندرہ ہزار بندوقچی رہتے تھے۔ علاوہ اسکے
بہت سے صوبجات مین رہتے تھے۔ مگر لشکریون اور سائیسون
اور سودے والون اور نوکرون کو (جو برابر فوج کے ساتھ لگے
رہتے تھے) ملا کر پیدل فوج کی تعداد دو تین لاکھ کی معلوم ہوتی
تھی۔ مگر سوائے فوج والون کے اور سب آدمی تو ظاہر ہے کہ فضول
ہی ہوتے تھے۔ اِن سب لوگون کو کسی نہ کسی طریقہ سے روپیہ
ضرور ہی ملتا تھا۔ اور چونکہ مغل فوج مین بہت کم سپاہی ایسے ہوتے
تھے جنکے ساتھ اُنکے بیوی بچّون اور غلامون کا کھڑاگ نہ ہو اسلیے
قیاس یہ ہوتا ہے کہ شاہی خزانہ کی آمدنی کا کثیر حصہ فوج ہی کھا جاتی
ہوگی۔ ایک مختصر سا دستہ توپخانہ کا بھی تھا۔ تھوڑی سی توپین بھاری
تھین اور تھوڑی سی ہلکی بھی تھین جو اونٹون پر چلتی تھین۔

اِدھر تو بادشاہ نے اِس طریقہ سے کہ تنخواہ یا جاگیر کے عوض
مین جنگی خدمت لیجاتی تھی فوج اور اُمرا کی نگرانی اپنے دست
خاص مین رکھی تھی اُدھر مالی انتظام بھی اسی اصول کے مطابق

ہوتا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ صوبجات کے انتظام مین جنگی اور مالی
کام دونون ملے جلے ہوتے تھے۔ منصب اور جاگیر کا طریقہ ساری
سلطنت مین جاری تھا۔ صوبون کے حاکم منصب دار ہوتے تھے
اور بجاے تنخواہ کے انکو معافیان عطا ہوتی تھین کہ انسے اپنے علاقہ
اور فوج کو قائم رکھتے تھے اور صرف پانچوان حصہ مالگزاری کا شاہی
خزانہ مین داخل کرتے تھے۔ سارے ملک کی اراضی ایسے ہی جاگیردارون
مین تقسیم ہوگئی تھی اور یہ لوگ اپنے اپنے علاقون مین سولھون آنہ
کے مالک ہوتے تھے اور غریب کسان جو انکی زمین کو جوتتے بوتے
تھے انکے واسطے جہانتک بن پڑتا تھا ایک کوڑی بھی نہ چھوڑتے
تھے۔ البتہ شاہی اراضیان اس طریقہ سے مستثنی تھین۔ انکا ٹھیکہ
ٹھیکہ دارون کو دیدیا جاتا تھا۔ ان ٹھیکہ دارون مین بھی سارے
عیوب بھرے ہوے ہوتے تھے مگر منصبدارون کا سا اقتدار انکو
حاصل نہ تھا۔ سلاطین کی حکمت عملی ہمیشہ سے یہ رہی کہ جاگیردارون
کا تبادلہ ایک جاگیر سے دوسری پر کرتے رہین تاکہ ایک مقام خاص
مین قابو یافتہ اور صاحب مقدور نہ ہوجائین۔ اور اسکے تقسیم

یسے ہی خراب ہوے جیسے ملک روم مین ناپایدار تقرروں سے
وتے ہین۔ ہر حاکم صوبہ یا جاگیر دار یہ چاہتا تھا کہ جہانتک بن پڑے
پنے صوبے یا جاگیر سے روپیہ جمع کرلے تاکہ جب وہان سے علٰحدہ
وکر دوسری جگہ بھیجا جاے یا علاقہ سے محروم ہوجاے تو خالی ہاتھ
ہو اور کچھ سرمایہ رکھتا ہو۔ بیرونجات کے اضلاع مین ان لوگونکو
رطرح کا سیاہ سفید کا اختیار ہوتا تھا۔ انکے ظلم کی فریاد سواے
رشاہ کے اور کوئی نہ سن سکتا تھا۔ اور یہ لوگ اسکا پورا بندوبست
تے تھے کہ انکی کارروائیون کی اطلاع دربار تک نہ پہونچے۔
تا ، قاضی وہان کے حاکم کے چیلے ہوتے تھے اور شاہی
ن کارون کو روپیہ دیکر انکا منھ بند کردیا جاتا تھا۔ دہلی یا آگرہ
ور کسی بڑے شہر کے قریب ایسے ظلم اور بداعمالیان مشکل سے
ب سکتی تھین اور اورنگ زیب چونکہ انصاف پسند تھا اسلیے
ہونے پردہ ان بدکرداریون کی سزا بھی قرار واقعی دیتا۔ مگر جو
سلطنت کے دور دراز ضلع تھے وہان منصبداروں نے
زعم محتسب اپنے ظلم اور لالچ سے اندھیر کر رکھا تھا۔ کسان اور

مزدوری پیشہ لوگ اور نیز اچھی حالت والے دوکاندار اپنی تھوڑی
پونجی کے چھپانے کے واسطے ہر طرح کی احتیاطیں کرتے تھے اور
ہمجنسون مین اپنا اعزاز بڑھانے کی خواہش کو اپنے دلون ہی
مین گھونٹ گھونٹ کر رکھتے تھے۔ اکثر یہ لوگ نکال دیے جاتے
تھے اور پاس کے کسی مقام مین جاکر پناہ لیتے تھے یا کسی ہندوستانی
راجہ کی نوکری کرلیتے تھے جو اپنے مذہب کے آدمیون کے ساتھ بہ نسبت
ان مسلمان ظالمون کے کسیقدر رحمدلی کے ساتھ پیش آتا تھا۔

غرض اورنگزیب کے زمانہ مین سلطنت مغلیہ کے انتظام کی یہ حالت تھی
اصول تو اسکا اب بھی وہی تھا جو اکبر کے زمانہ مین تھا مگر فرق ا...
کہ ادنی درجہ کے غیر تعلیم یافتہ مسلمان اہلکار رکھے جاتے تھے اور لائق
ہندوون کو بالکل دخل نہ رہا تھا۔ اور مقامی نگرانی اور دریافت حال
جو انتظام تھا وہ بالکل ناکافی تھا۔ اورنگزیب اپنی ذات سے ...
بات کی کوشش ضرور کرتا تھا کہ وہ راستبازی کے ساتھ فرمانروائی
کرے مگر یا تو اسکو یہ ڈر تھا کہ مبادا سخت نگرانی سے میرے ماتحت سردار ناراض
ہوجائینگے یا یہ بات تھی کہ اسکو وفادار اور دیانتدار نگر ہکار ...

د سکتے ہے۔ بہر حال باعث اسکا چاہے جو کچھ ہو حقیقت یہ ہے کہ
سلطنت کے بڑے مقامات کا انتظام تو اسلامی قانون کے مطابق
پورے پورے انصاف اور دیانت کا تھا مگر مفصلات مین عام طور
سے ابتری تھی اور ظلم کا بازار گرم تھا۔ سلطنت عثمانیہ کی نسبت کہا جاتا
ہے کہ وہ مثل ایک لشکر کے ہے۔ ہندوستان کی مغلیہ سلطنت کی
نسبت کیا مالی کیا جنگی دونون انتظامون کے لحاظ سے یہ کہنا پڑتا ہے
کہ اسکی مثال ایک قبضہ کرلینے والی فوج کی سی ہے۔ جیسا کہ برنیر لکھتا
ہے وہ مغل اعظم ہندوستان مین اجنبی ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ مین ایسے
ملک مین ہون جو میرا دشمن ہے یا دشمن کے برابر ہے۔ اور ملک ایسا
ہے کہ جسمین سیکڑون ہندو ہین تو ایک مغل یا یون کہیے کہ ایک مسلمان
یہی وجہ تھی کہ اسکو بڑی بڑی فوجین رکھنی پڑتی تھین۔ جاگیردار اور
حاکم ایسے مقرر کرنے پڑتے تھے جو عزت اور مدد کے لیے اسی کے محتاج
ہون۔ یہی وجہ تھی کہ آسنے انتظامی حکمت عملی ایسی رکھی تھی کہ جسکے
باعث تھوڑے سے مسلح لوگون کی برتری قائم رکھنے کے واسطے رعایا
کی بہبودی نظر انداز ہوتی تھی۔ وہ تو یہ سمجھے رعایا ہندو تھی کہ ہندو

علے کے عادی ہو گئے تھے اگر کوئی اور قوم ہوتی تو یہ نظام گرتا پڑتا۔
بہرحال جو اس حالت پر بھی اندرونی امن قائم تھا اور جو اس نازک
اور دور دراز سلطنت مین بادشاہ کے اختیارات بدستور رہے۔ ان پچاس
برس مین ہنگامے اور بغاوتین بہت کم ہوئین۔ جو کچھ لڑائیان ہوئین
وہ حصول مملکت کے واسطے سلطنت کے باہر کے ملکون مین ہوئین
یا اس باعث سے ہوئین کہ بادشاہ نے جان بوجھکر اپنی سختی سے
انکو مول لیا۔

بیرونی لڑائیان تاریخی اعتبار سے کچھ زیادہ قابل یادگار ہیں۔
میر جملہ کی آسام والی خطرناک لڑائی اُن بہت سی کوششون کا
پیش خیمہ تھی جو ہندوستان کے شمالی و شرقی پڑوسیون کے زیر
کرنے کے واسطے کی گئین۔ بارش اور غنیم کی بندرون کی سی چالاکی
نے مغل فوج کے دانت کھٹے کر دیے اور مایوسی ہو گئی۔ اور اسکا
بہادر سپہ سالار واپسی پر ۱۶۶۳ء کے موسم بہار مین جان بحق تسلیم
ہوا۔ اورنگ زیب نے میر جملہ کے بیٹے سے کہا تھا کہ "تم ایک شفیق
باپ کا ماتم کرتے ہو اور مین اپنے سب سے زیادہ طاقت والے

اور سب سے زیادہ خطرناک دوست کا ماتم کرتا ہوں۔ ان ارکان کی
لڑائی کا نتیجہ البتہ دیرپا ہوا اس سلطنت سے بنگالہ ہمیشہ معرض خطر
مین رہا کرتا تھا اور دریاے گنگ کے دہانے کے تاجرون کو اکثر
جہازون والون سے اندیشہ رہتا تھا اور نقصان بھی پہونچتا تھا۔
ارکان کے مجرم گوا اور سراندیپ اور کوچین اور ملاکا سے چاٹگام مین
آکر جمع ہوتے تھے انمین سے اکثر پرتگالی یا دوغلی نسل کے ہوتے تھے
چاٹگام مین بادشاہ ارکان ان لوگونکو اپنے خوفناک پڑوسیون یعنی مغلون
کے خلاف اپنا رفیق سمجھکر خوشی خوشی رہنے کی اجازت دیدیتا تھا۔ ان لوگون
نے تھوڑے ہی عرصہ مین دریائی ڈاکوونکا کاروبار شروع کر دیا۔ دو چھوٹے
چھوٹے جہازون مین سوار ہو کر آس پاس کے سمندر مین لوٹ مار
شروع کر دی۔ دریاے گنگ کی بیشمار شاخون مین گھس پڑے
اور بنگالہ کے نیچے کے حصہ کے جزیرون کو تاخت و تاراج کر ڈالا۔
اور اکثر اوپر کے ملک مین سو سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو کوس تک چڑھے
چلے گئے اور کسی گانون پر بیخبر ٹوٹ پڑے اور سب گانون والونکو
لوٹ لے گئے۔ یہ غارتگر ان بدنصیب قیدیونکو لونڈی غلام بنا لیتے تھے

اور جو کچھ ساتھ نہ لیجا سکتے تھے اسمین آگ لگا دیتے تھے۔* ہگلی مین جو پرتگال والے آباد تھے وہ ان بدمعاشون کی اعانت اسطرح کرتے تھے کہ پورے جہاز کے جہاز لونڈی غلامون کے سستے دامون خرید لیتے تھے۔ شاہجہان نے ان لوگون کو اس ج کو ارگی اور نیز اور بدکرداریون کے پاداش مین بہت سخت سزائین دی تھیں اور انکے شہر کو تسخیر کر کے سب پرتگالیون کو قیدی بناکر آگرہ لیگیا تھا (سنہ ۱۶۳۰ء)۔ مگر باوجود اسکے کہ اب پرتگال والون سے مدد ملنی بند ہو گئی تھی یہ دریائی قزاق برابر غارتگری پر کمر بستہ رہے اور پہلے سے بھی زیادہ جوش و خروش کے ساتھ چاٹگام کے آگے کے جزیرہ سندیپ سے اپنی کارروائیان کرتے رہے۔ جزیرۂ مذکور مین فراجان نامی آگستینی راہب سالہا سال تک چھوٹا سا بادشاہ بنا ہوا فرمانروائی کرتا رہا۔ خدا جانے کمبخت نے کیسے اس جزیرہ کے حاکم کو نکال باہر کیا تھا۔ یہی لٹیرے تھے جو ڈھاکہ تک جہاز لے گئے تھے اور شہزادہ شجاع کو اپنے ساتھ

* منقول از وقائع سیاحت ڈاکٹر برنیر۔

نکال لائے تھے اور راستہ مین جتنے بھی پہچے اُسکا مال و متاع لوٹ لیا تھا
جب میر جملہ کی جگہ شایستہ خان بنگالہ کا حاکم ہوا تو اُسنے سوچا
کہ اب اسکا وقت آگیا ہے کہ ان لوگون کی دست درازیان بند
کیجائین اور شاہ اراکان کو شجاع کے ساتھ دغابازی کرنے کی
سزا دیجائے کیونکہ ہرچند کہ شجاع رقیب تھا تاہم اورنگزیب کا بھائی
تھا اور اُسکے ساتھ بے توقیری سے پیش آنا مناسب تھا یہ بات
عجیب معلوم ہوتی ہے کہ یہ دریائی قزاق فوراً حاکم بنگالہ کی اطاعت
پر آمادہ ہو گئے ڈچ لوگون نے بھی اُنکی مدد اسوجہ سے کی کہ وہ
دل و جان اُسکے آرزومند تھے کہ پرتگال والونکی گھٹتی ہوئی طاقت
اصل ہی نیست و نابود ہو جاوے۔ بہت سے لٹیرے بڑی سخت
نگرانی مین ڈھاکہ سے چند میل نیچے کی طرف مقام فرنگی بازار مین
آباد کیے گئے کہ اُنکی نسل کے کچھ لوگ وہان آجتک آباد ہین۔
پھر شائستہ نے اراکان پر یلغار بھیجی اور اُسکو مسخر کرکے چاٹگام کا نام
بدلکر اسلام آباد رکھا۔ شائستہ خان بیچارے کو کیا خبر تھی کہ خلیج بنگالہ
کی بحری قزاقی کو خاک مین ملاکر وہ اُس آیندہ والی سلطنت کی بہت

بڑی مدد گر رہا ہے جسکی آیندہ فتوحات کی پیشین گوئی اُس چھوٹے سے
کارخانہ کو دیکھکر نہین ہو سکتی تھی جو سنہ ۱۶۴۰ء مین انگریزون نے بنگلی
مین کھولا تھا۔ پرتگالیون کے زیر ہو جانے کے پورے بیس برس بعد
جاب چارناک نے فوجدار کی مقامی فوجون کو شکست دی۔ اور سنہ ۱۶۹۰ء
مین اورنگ زیب نے جسکے خزانے کی آمدنی ان لڑائیون کی وجہ
سے تجارت اور محصولون کے بند ہو جانے کے باعث بہت کم ہو گئی
تھی دریاے ستونتی کے کنارے اُسکو ایک معافی عطا کر دی۔ اُسنے
وہان کا جنگل صاف کرا کے قلعہ بنا لیا۔ یہ ابتدائی حالت تھی اُس
مقام کی جو آج کلکتہ کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ایسٹ انڈیا کمپنی کو
عروج اُسی زمانے سے نصیب ہوا جب سے کہ مغلیہ سلطنت کو زوال
ہوا۔ جب تک اورنگ زیب زندہ رہا انگریزی تاجرون سے کوئی
جھگڑے فساد نہین ہوے:-

ساتوان باب

آمدنی

ایک معقول سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ کو کیا ذرائع آمدنی
کے حاصل تھے جن سے ایسے جلیل القدر دربار کا خرچ چلتا تھا اور
امیرون اور منصب دارون کی کثیر تنخواہین دی جاتی تھین اور سلطنت
جنگی اور مالی محکمے قائم تھے۔ مغل بادشاہون کی آمدنی کی بابت حال مین
بہت بحث ہوئی ہے اسوجہ سے امید ہے کہ میرے ناظرین مجھے معذور
نہین سمجھین گے اگر مین اس مضمون کو کسیقدر طوالت اور تفصیل کے ساتھ
لکھون۔ بہت سے نقشے اُن سالانہ رقوم کے جو فی الواقع ہر صوبے
سے خزانہ شاہی مین داخل ہوتی تھین محفوظ رہ گئے ہین۔ یہ نقشے اُس
زمانہ کے ہندوستانی اور یورپین لوگون کے مرتب کیے ہوئے ہین
اگر ان کی تخمینی صحت اور ایک دوسرے سے متفق ہونے مین توکوئی کلام
نہین ہوسکتا۔ جو بحث ہے وہ اس بابت نہین ہے کہ یہ نقشے

کسیطرح اعتبار کے قابل نہین ہین - بلکہ وہ صرف دو باتون سے
متعلق ہے - اول تو یہ کہ ہندوستانی آمدنی کی مالیت بحساب
سکۂ انگریزی کسقدر تھی اور دوسرے یہ کہ آیا ان نقشون مین ہر صوبہ
کی بکاری تمام شامل ہے یا محض محصول اراضی کے نقشے ہین -

پہلی بحث تو بہت آسانی سے حل ہو جاتی ہے - جس زمانہ
کے یہ نقشے ہین (یعنی ۱۵۹۴ء لغایت ۱۶۰۰ء) اُس زمانہ مین
اوسط قیمت روپیہ کی بحساب سکۂ انگریزی دو شلنگ تین پنس تھی -
سکہ کی حالت کے مطابق روپیہ کی قیمت مین کسی قدر کمی بیشی ہوتی
رہتی تھی - اگر بہت گھسا ہوا ہوتا تھا تو شاید دو شلنگ کے برابر
سمجھا جاتا تھا - اور اگر بالکل نیا اور پورے وزن کا ہوتا تھا تو دو
دو شلنگ چھ پنس کا ہوتا تھا - مگر بہت سی تحریرون سے صاف ظاہر
ہوتا ہے کہ بحساب اوسط معمولی شرح مبادلہ کی دو شلنگ تین پنس
فی روپیہ تھی* - ہندوستان کے قابل مورخ ایچ جے کین صاحب نے

* بعض مشہور تخمینے حسب ذیل ہین :- ۱۶۱۵ء سر طامس رو ۲ شلنگ ۲ پنس -
ٹیری ۲ شلنگ سے ۲ شلنگ ۹ پنس تک - ۱۶۳۶ء منڈلیسلو ۲ شلنگ [illegible]

اس غلطی مین پڑے کہ روپیہ کی قیمت ایک شلنگ تین پنس قرار دی
علاوہ اسکے کہ ہمارے پاس بیلی صاحب کی سند موجود ہے کہ اُس زمانہ
مین اور ایک شلنگ چھ پنس کا ہوتا تھا یہ بات قیاس مین نہین آ
کہ انگریزی سیاحون نے اپنا روپیہ دو شلنگ تین پنس فی روپیہ
شرح سے بدلا ہو اور اُسی زمانہ کے فرانسیسی سیاحون نے ایک
شلنگ تین پنس فی روپیہ کی شرح سے۔ ہمین پورا یقین ہے کہ جب
فرائر اور پادری جان اوونگٹن نے ۱۶۷۳ء اور ۱۶۸۹ء مین ا
روپیہ بدلا تو انکو مبادلہ مین اُسی حساب سے روپیہ ملا جس حساب
سے برنیر کو ۱۶۶۰ء مین یا منوکی کو ۱۶۹۰ء مین ملا۔ ظاہر ہے
اتنے بڑے اختلاف کی کسیطرح گنجایش نہین ہے جو کین صاحب
فرانسیسی سکہ لور کی مالیت کے تخمینہ سے ظاہر ہوتا ہے

ہندوستانی نقشے بحساب دام مرتب کیے گئے ہین۔ اور راکین
کیکو حجت نہین ہے کہ چالیس دام کا روپیہ ہوتا تھا۔ یورپین
نقشے بحساب روپیہ مرتب کیے گئے ہین۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے
ہین کہ روپیہ کی اوسط قیمت دو شلنگ تین پنس ہوتی تھی

...ض اندیشہ بحساب طور بھی مرتب ہوئے ہیں۔ طور کی قیمت تقریباً
...ب شلنگ چھ پنس ہوتی تھی۔ ان قیمتوں کے حساب سے دام
...کے روپیہ بنائے جائیں اور روپیہ اور طور کے پونڈ بنائے جائیں تو
...لف سالون کی آمدنی کی تخمینی تعداد حسب ذیل ہوتی ہے*

		پونڈ	
اکبر	۱۵۹۴ء	۱۸۶۴۰۰۰۰	(ابوالفضل)
"	۱۶۰۵ء	۱۹۶۳۰۰۰۰	(ڈی لیٹ)
جہانگیر	۱۶۲۷ء	۱۹۶۸۰۰۰۰	(بادشاہ نامہ)
شاہجہان	۱۶۲۸ء	۱۸۷۵۰۰۰۰	(محمد شریف)

* جن سندوں کے اعتبار پر یہ نقشے بنائے گئے ہیں انکا مفصل حال ...ایڈورڈ ٹامس صاحب کے لیاقت مآب مضمون دی ریوینیو ریسورسیز آف ...دی مغل ایمپائر ان انڈیا (مطبوعہ ۱۸۷۱ء) میں ملیگا۔ البتہ ۱۶۲۸ء و ...[illegible]ء کی رقمیں مضمون مذکور سے نہیں لی گئی ہیں سنہ مسبوق بالذکر کی ...رقم محمد شریف حنفی کی مجالس السلاطین سے اقتباس کی گئی ہے اور سنہ ...مؤخر الذکر کی بختاور خان کی تصنیف سے۔

شاہجہان	۱۶۴۸ء	۲۲۷۰۰۰۰۰	(بادشاہنامہ)
//	۱۶۵۵ء	۳۰۰۸۰۰۰۰	(کاغذات شاہی)
اورنگ زیب	۱۶۶۰ء	۳۵۳۱۰۰۰۰	(برنیر)
//	۱۶۶۶ء	۲۶۷۰۰۰۰۰	(تھیونیاٹ)
//	۱۶۶۷ء	۳۰۸۵۰۰۰۰	(بھناور)
//	مابعد	۳۰۱۰۰۰۰۰	(کاغذات شاہی)
//	۱۶۹۷ء	۳۳۵۵۰۰۰۰	(منوکی)
//	۱۷۰۷ء	۳۳۴۵۰۰۰۰	(رموشیو)

رقوم مندرجۂ بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطنت کی بہبودی مین
معقول اور روز افزون ترقی ہوتی گئی۔ ۱۶۵۵ء کی بیشی کی وجہ
یہ بتلائی جاتی ہے کہ دکن کی سلطنتون کا خراج بھی اسمین شامل ہے
۱۶۶۶ء و ۱۶۶۷ء کی کمی کی معقول وجہ یہ بیان کیجاتی ہے کہ ۱۶۵۷ء
مین اورنگ زیب کی تخت نشینی کے زمانہ مین ملک مین لڑائیان
ہوئین اور اسکے بعد ہی قحط پڑا اور ۱۶۶۱ء مین اورنگ زیب کی
وفات سے پہلے دکن کی لڑائیان مدت تک قائم رہین اور بڑے بڑے

۰۰۰۰۵۵۳۳ میں شامل نہ رہا ہو۔ سب نقشے ایک دوسرے
سے متفق ہیں۔ اور چونکہ دو مورخون کے نقشے صوبجات محض محصول
اراضی کے ہیں لہذا سب نقشے اسی صیغہ آمدنی سے متعلق ہیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مغل بادشاہون کے محاصل محض اراضی
سے سنہ ۱۶۰۰ء میں تقریباً ایک کرور نولاکھ پونڈ تھے اور سنہ ۱۷۰۰ء میں
چار کرور تین لاکھ پونڈ ہو گئے تھے۔ بادشاہ برائے نام مالک اراضی
ہوتا تھا مگر عام قاعدہ یہ تھا کہ تقریباً ایک تہائی کا محصول نکاسی خام پر
وصول کیا جاتا تھا۔ اکبر نے زراعت کا محکمہ بہت اچھا قائم کیا تھا
اور ایسے قواعد مقرر کیے تھے جنکے مطابق ایام مقررہ کے امتداد پر
اراضی کی مالیت لگائی جاتی تھی اور فصلون کی خرابی اور خشک سالی
وغیرہ کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ یہی قاعدے اورنگ زیب کے زمانہ میں
بھی جاری رہے۔ اور اگرچہ بددیانت عمال نے دوردراز کے
اضلاع بیرونجات میں ان قواعد سے انحراف کیا ہو تاہم اسمین
کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس طریقہ کا اصول بہت منصفانہ تھا اور
جہان تک بادشاہ کی نگرانی اور دباؤ اثر پہنچ سکتا تھا ان

قاعدون کی پابندی بہت سختی کے ساتھ کیجاتی تھی - آج کل کی آمدنی
مالگزاری دو کروڑ چالیس لاکھ پونڈ ہے - اگر برٹش گورنمنٹ بجائے پیداوار
خام کی ایک تہائی لینے کے صرف ایک دہائی لینے پر قناعت کرتی
ہے - اگر مغلون کی طرح تہائی لیجاتی تو آج کل کے زمانہ کی برٹش
ہندوستان کی مالگزاری اراضی کی تعداد آٹھ کروڑ پونڈ کے قریب
ہوتی - مگر برٹش ہندوستان کا رقبہ بھی مغلیہ ہندوستان کے رقبے
سے کہین زیادہ بڑھا ہوا ہے -

بختاور خان یا محمد بقا کی تصنیف ایک کتاب مرآۃ عالم نام
ہے - اسمین ایک نقشہ دیا ہوا ہے - اس نقشہ سے کچھ اندازہ اسبات
کا ہو سکتا ہے کہ انتظامی معاملات کے مصارف کے ادا کرنے کے بعد
کسقدر روپیہ محاصل اراضی کی مد کا فاضل بچتا تھا - تاریخ مذکور مین
مالگزاری کی تعداد ۹۲۴۱۷۱۶۰۸۲ دام (تقریباً ۳۰۸۵۰۰۰۰۰ پونڈ)
لکھی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ منجملہ اسکے زر خالصہ جو خزانہ عامرہ
مین داخل ہوتا ہے ۱۷۲۷۹۸۱۳۵۱ دام ہے اور جاگیرداروں کے
وظیفون یا بقایا کی تعداد ۶۷۵۱۷۷۳۴۷۳ دام ہے - اس مین

ری سی حسابی غلطی ضرور ہے مگر نتیجہ بہر حال نکلتا ہے کہ انتظام
لطنت کے جو مصارف ہین اُنکی اور منصب دارون اور جاگیردارون
بیش قرار تنخواہون کی ادائی کے بعد کل محاصل مالگزاری کا
نچوان یا چھٹا حصہ برابر خزانۂ شاہی مین فاضل ہو کر جمع
ہو جاتا ہے۔

رقم مالگزاری کی تعداد معین معلوم کرنی نا ممکن ہے کیونکہ
کان جو ارضی سے حاصل ہوتا ہے اور اُسپر جو محصول لگایا جاتا
ہے اُسکی تعداد برابر کم و بیش ہوتی رہتی تھی۔ مغل بادشاہ برابر
صول معاف کر دیا کرتے تھے۔ مگر یہ صاف صاف نہین معلوم
تا کہ یہ معافیان کتنے عرصہ کے واسطے ہوا کرتی تھین اور آیا بجاے
نکے اور کوئی محصول لگائے جاتے تھے یا نہین۔ آئین اکبری مین
س قسم کے محصولون کی فہرست دی ہوئی ہے جو اکبر کے زمانہ مین
معاف ہوتے تھے یا تخفیف کیے گئے تھے۔ یقین ہے بعض قسم کے
محصول یقیناً ایسے ہین کہ اورنگ زیب کی تخت نشینی تک زمانہ
سے وہ پھر جاری ہو گئے یا اُنمین اضافہ ہو گیا۔ اورنگ زیب نے

اپنی ابتدائی سلطنت کے زمانہ مین خود تقریباً اسّی محصول چنگی
کردیے تھے تاکہ جنگ اور قحط کی وجہ سے جو محتاجی رعایا کے عاید حال
ہوئی تھی اُسمین کمی ہو۔ خفی خان نے معمولی طور سے ان محصولو
کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ان سے "کروڑون روپیہ کی آمدنی اکثر
عامرہ کو ہوتی تھی" مگر آگے چل کر یہ بھی لکھا ہے کہ عمال فرمان شا
کی تعمیل بہت کم توجہی سے کرتے تھے۔ جب سلطنت کو کچھ عرصہ گز
تو مسلمان تاجرون کے مال سے چنگی کا محصول اُٹھا دیا گیا۔ مگر
اسکی یون ترمیم ہوئی کہ پانچ فیصدی کا محصول جو ہندو تاجرون کے
واسطے تھا وہ مسلمان تاجرون کے واسطے ڈھائی فیصدی ہوگیا
ظاہر ہے کہ علاوہ محاصل زمین کے اور بہت سے محصول چنگی او
ابواب وغیرہ سے خزانۂ شاہی مین بہت آمدنی ہوتی تھی۔ ان محصولو
کے نقشے دستیاب نہین ہوتے۔ اسکے علاوہ خیال یہ ہوتا ہے کہ
سنہ ۱۶۷۹ء مین جزیہ کی تجدید ہو جانے سے آمدنی مین بہت زیادتی ہوگئی
ہوگی۔ لکھا ہے کہ صرف ایک شہر برہان پور سے اس محصول کی
آمدنی چھبیس ہزار روپیہ کی ہوتی تھی۔ تو سارے ہندوستان کی

...نی کا کیا ٹھکانا ہے۔ مگر ہمین شک ہے کہ یہ محصول سختی کے ساتھ
...صول کیا جاتا ہو۔ ہندوستانی مورخون نے اس آمدنی کا کچھ
...ایک حال نہین لکھا ہے جو علاوہ محصول اراضی کے اس محصول
...دیگراور محصولون سے ہوتی تھی۔ نہ ہم اسکا اندازہ کر سکتے ہین کہ
...منصب دارون کی جاگیرون اور مال داملاک کی ضبطی اور پیشکش
...دینے والے بیشمار قیمتی تحائف نقدی و جواہرات سے کہ وہ ہر سال
...ہر امیر ہر اہلکار ہر اہل منصب اور ہر سیاح سے مغل اعظم کو ملتے تھے
...سقدر آمدنی ہوتی تھی۔ ٹیورنیر نے ایک وقت مین جو تحفہ اورنگزیب
...نذر کیا تھا اُسکی مالیت ۱۲۹۱۱ لور تھی۔ یعنی نوسو پونڈ سے اوپر ہی
...اوپر۔ اور یہ تحفہ اُن تحائف کے مقابلہ مین بالکل بے وقعت تھا جو
...ہر بادشاہ کی سالگرہ اور اور جشنون کے موقعون پر بادشاہ کے
...حضور مین پیشکش کیا کرتے تھے۔

لیکن اگرچہ آمدنی کے ان بیشمار صیغون کے نقشے دستیاب
...نہین ہو سکتے تاہم ہمارے پاس تین یوروپین سیاحون کے علٰحدہ
علٰحدہ بیان موجود ہین جن سے تخمینی اندازہ کل آمدنی کا ہو سکتا ہے

یہ بیانات چونکہ ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ہین اس لیے زیادہ
قرینہ انکے صحیح ہونے کا ہے۔ تاہم ہزار کچھ ہو پھر بھی یہ اندازہ ہی ا
ہے۔ پہلا بیان ولیم ہاکنس کا ہے جس سے ۱۶۰۹ء سے ۱۶۱۱ء
تک جہانگیر سے بہت مراسم رہے۔ وہ بادشاہ کی آمدنی پچاس کرو
روپیہ بتاتے ہین (یعنی ۵۶۰۰۰۰۰۰ پونڈ)۔ اسمین شک نہین
کہ صاحب موصوف کی شہادت اسوجہ سے کمزور ہو جاتی ہے کہ
وہ خود لکھتے ہین کہ بادشاہ کی سالانہ آمدنی بابت اراضی شاہی "
اسقدر ہے۔ اور صریح ظاہر ہے کہ جن نقشون کا ذکر ہم اوپر کر چکے
ہین انکے مطابق یہ بیان بالکل لغو ہے۔ لیکن اگر پچاس کرور روپیہ
کل صیغون کی آمدنی سمجھی جاے تو شاید اسمین زیادہ مبالغہ نہو۔
دوسرا بیان کاٹرو کا ہے جنھون نے منوچی سے سنکر لکھا ہے
(افسوس ہے کہ دونون صاحبون کے علحدہ علحدہ بیان نہین ملسکے)
صاحب موصوف ۱۶۹۷ء کی بابت لکھتے ہین کہ چار کرور پینتیس
لاکھ پونڈ کی آمدنی محض پیداوار اراضی کی ہے اور غیر معمولی اور
کم و بیش ہونیوالی آمدنیان اسکے علاوہ ہین۔ ان غیر معمولی آمدنیون

ہندوؤن کا جزیہ بندرگاہون اور جہازون کا رسوم ہندوستان
کے میلون کے محصول ہیرون کی کانون کا حق شاہی اور جاگیرونکا
حق اور مختلف راجاؤن کے خراج شامل ہین۔ کاڑوان آمدنیون
کی تفصیل لکھنے سے قاصر ہے۔ صرف ایک جگہ اسکا ذکر کیا ہے
وہ لکھتا ہے کہ سورت کے بندرگاہ کی آمدنی تیس لاکھ روپیہ تھی
اور شہر مذکور کے ٹکسال کی آمدنی بھی گیارہ لاکھ روپیہ تھی۔ یون
سمجھنا چاہیے کہ علاوہ مالگزاری اراضی کے سورت سے تقریباً
پنج لاکھ پونڈ وصول ہوتا تھا۔ اس حساب سے یہ بات قرین عقل
ہے کہ غیر معمولی آمدنی کی تعداد بھی آمدنی مالگزاری اراضی کے
برابر تھی۔ تیسرا بیان ڈاکٹر جیملی کریری کا ہے جو ١٦٩٥ء مین
دکن مین اورنگ زیب سے ملا تھا۔ ڈاکٹر موصوف سے یہ کہا گیا
تھا کہ بادشاہ کو صرف ممالک موروثی سے اسی کرور روپیہ (یعنی
نو کرور پونڈ) کی آمدنی ہوتی ہے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہین کہ ١٦٩٧ء
مین مالگزاری اراضی چار کرور پینتیس لاکھ پونڈ کی تھی۔ اس لحاظ
سے کریری کا تخمینہ آمدنی محاصل اراضی کے دوچند سے زیادہ ہے

اور اس سے کاٹرو کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ غیر معمولی آمدنی کی
تعداد بھی مالگزاری اراضی کی تعداد کے برابر تھی بلکہ اس سے کسی قدر
زیادہ ہی تھی۔ اور ہاکنس نے جو جہانگیر کی آمدنی کا تخمینہ پچاس کرور یعنی
اس زمانہ کی مالگزاری اراضی کے دوچند سے زائد کا کیا ہے اس سے
بھی مطابقت ہوتی ہے۔ کریری کی اس صراحت سے بھی کہ اسی کرور
کی آمدنی صرف اورنگزیب کے موروثی ممالک کی تھی اس نتیجہ پر
کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ لڑائی اور
تباہی کے زمانہ میں بادشاہ کو دکن سے کوئی آمدنی کثیر ہوئی ہو۔ اور
یہ تو بالکل ہی خلاف قیاس ہے کہ صوبہ دکن سے دس کرور روپیہ
کی آمدنی ہوتی ہو حالانکہ بیجاپور اور گولکنڈہ کی آمدنی دس کرور
روپیہ کی کاٹرو کی چار کرور تخمینی کہ پونڈ والی کل میزان میں
شامل ہے۔ ہاکنس کاٹرو اور کریری کے تین بیانوں سے ہم یہ نتیجہ
نکالتے ہیں کہ کل سلطنت کی سب صیغوں کی آمدنی کم از کم مالگزاری
اراضی کی دوچند تھی۔ پس کل آمدنی کی تعداد معلوم کرنے کے
واسطے ہمکو اسیقدر کرنا ہے کہ جو آمدنی مالگزاری کی از روے تخمینجات

...م اوپر لکھ آئے ہین اسکو دوچند کر لین* ۔ غرضکہ یون سمجھنا چاہیے کہ مغلیہ
سلطنت کی کل آمدنی سنہ ۱۵۹۴ء مین تین کرور ساٹھ لاکھ پونڈ تھی اور

* ہمنے ٹامس صاحب کی اس راے کا ذکر نہین کیا ہے کہ سنہ ۱۵۹۴ء مین (حساب
دو شلنگ تین پنس فی روپیہ) اکبر کی کل آمدنی تین کرور ساٹھ پونڈ تھی کیونکہ یہ راے
...ن قیاس پر مبنی ہے کہ سال مذکور کی بابت جو نقشہ نظام الدین احمد نے چھ ارب
...یس کرور مرادی تنکہ کا مرتب کیا تھا انمین تنکہ کی قیمت دو دام کے برابر تھی ۔ دام
...ور تنکہ مرادف الفاظ ہین جیسا کہ خود اُن الفاظ سے ثابت ہوتا ہے جو اُن سکون پر
...ندہ ہین ۔ اور اگرچہ دامون اور تنکون دونون کے ادھنے ہوتے تھے تاہم اس
...یاس کی کوئی معقول وجہ نہین ہے کہ صرف اس ایک صورت مین ادھنون کا
...ساب رکھا گیا تھا ۔ ٹامس صاحب نے جو چھ ارب چالیس کرور کا اوسط سنہ ۱۵۹۴ء
...ی بابت کیا ہے وہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ خلاف قیاس ہے کہ سنہ ۱۵۹۴ع کی
...مدنی کل چھ ارب آٹھ کرور تھی ۔ اور اسقدر اضافہ بہت ممکن ہے ۔ اس وجہ سے ہماری
...ے یہ ہے کہ نظام الدین کے نقشے سے ایک کرور اسی لاکھ پونڈ کی آمدنی ظاہر ہوتی
ہے ۔ اگرچہ ہمین اس مرادی تنکہ والے مسئلے کا اعتبار نہین ہے کیا عجب کہ بحث زیادہ اندازہ
...ر لیا گیا ہو تاہم ہمین اسمین بھی شک نہین ہے کہ سنہ ۱۵۹۴ء مین اکبر کی کل آمدنی کی

رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے ۱۶۹۵ء مین نو کرور پونڈ تک پہونچ گئی تھی-

کاٹرو لکھتا ہے کہ اسمین شک نہین کہ اسقدر بے اندازہ دولت حیرت

خیز ہے- مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جسطرح یہ دولت مغل خزانہ مین آتی تھی

اُسی طرح چلی بھی جاتی تھی- کم از کم سال کے سال تو یہی حال ہوتا تھا

وہی دولت پھر ملک مین پھیل جاتی تھی- آدھی سلطنت بادشاہ کی

پر بسر کرتی ہے یا کم از کم اُسکی ملازمت مین ہے- علاوہ ہزارون

اہلکارون اور سپاہیون کے جنکی گزر اوقات تنخواہ پر ہے سارے

دیہاتی دہقان جو محض بادشاہ کے واسطے محنت کرتے ہین بادشاہ

وظائف پر بسر کرتے ہین اور قریب قریب سب شہری کاریگر جو بادشاہ

کے واسطے کام بناتے ہین خزانۂ شاہی سے روپیہ پاتے ہین"-

جب ہم یہ خیال کرتے ہین کہ یہ تحریری شہادت سے ثابت ہے

ایک مغل امیر اور وہ بھی دیانتدار امیر تقریباً پانچ ہزار کرا ون یعنی تیرہ

پونڈ سالانہ اپنی امیری کے پنجہزاری منصب پر ممتاز ہونے کی حالت

مین پس انداز کر سکتا تھا تو یہ بات آسانی سے سمجھ مین آجاتی ہے

* تعداد مین کرور ساڑھے لاکھ ہی ہو-

خزانہ سے بیشمار روپیہ محض جیب خرچ سرداروں کی بسر اوقات کے لیے دیا جایا کرتا تھا۔ جیسی ہی آمدنی زیادہ تھی ویسے ہی خرچ بھی اسقدر کثیر تھا کہ مغل بادشاہ پس انداز بہت کم کر سکتے تھے۔ باوجودیکہ شاہجہان برابر روپیہ جمع کرتا رہا اور اُسکی سلطنت کے زمانہ میں مدت دراز تک امن بھی رہا تاہم علاوہ جواہرات و زیورات کے چھ کرور روپیہ بھی جمع نہ کر سکا۔ اور اورنگ زیب نے مرتے وقت خزانے میں صرف تیرہ لاکھ روپیہ چھوڑا اور اکثر اوقات فوج کی تنخواہ بانٹنے کے لیے روپیہ سے تنگ رہا۔

آٹھوان باب

ہنود

آسام اور ارکان کی لڑائیون سے ہندوستان کے امن و امان مین کوئی خلل نہین پڑنے پایا۔ اورنگ زیب کی سلطنت کے شروع کے بیس برس تک شمالی ہندوستان مین بالکل امن چین رہا۔ کوئی ایسی بغاوت نہین ہوئی جو پولیٹکل خیال سے کچھ وقعت کے قابل ہو دکن کی لڑائیون سے بھی جنکا ذکر ہم آگے چل کر کرینگے شمال مین کچھ گزند نہین پہنچی۔ غرض ملک مین ایسا امن تھا اور سلطنت کی حالت ایسی مستحکم تھی کہ اورنگ زیب اپنی اُس خطرناک علالت سے اُٹھکر جسکی وجہ سے وہ سنہ ۱۶۶۲ء مین صاحب فراش ہو گیا تھا بہت اطمینان اور بیفکری کے ساتھ آرام کرسکتا تھا اور تبدیل آب و ہوا کے واسطے جا سکتا تھا۔ چنانچہ دسمبر ۱۶۶۶ء مین بادشاہ نے اپنے اپ کو جسکی طرف سے اب بغاوت کا اندیشہ باقی نہین رہا تھا آگرے کے قیدخانے مین

چھوڑا اور خود کشمیر کی طرف روانہ ہوا برنیر صاحب نے اس سفر کشمیر کا
روزنامچہ بہت دلچسپ لکھا ہے۔ یہ چھٹی اٹھارہ مہینے کیواسطے تھی۔
مگر چھ مہینے تو آنے جانے ہی مین لگ گئے۔ مغل بادشاہ اپنی شان
کے مطابق بہت سہولت کے ساتھ سفر کرتا تھا اور کئی کئی دن شکار
کے واسطے ٹھہر جاتا تھا یا پانی کی تلاش مین سیدھے راستہ کو چھوڑ کر
دوسرے راستہ پر چلا جاتا تھا۔ جسقدر کثیر لشکر بادشاہ کے سفر مین
ہمراہ ہوتا تھا اُسکے ساتھ تیز سفر کرنا ممکن بھی نہ تھا۔ ۳۵ ہزار سوارونکا
باڈی گارڈ کا رسالہ تو برابر ساتھ ہوتا ہی تھا۔ علاوہ اسکے دس ہزار
سے اوپر ہی اوپر پیدل بھی ہوتے تھے اور ہلکی اور بھاری دونون
طرح کی ملا کر ایک سو یا ایک سو بیس توپین بھی ہوتی تھین جنکو دشوار
گذار سڑکون پر کھینچنے مین سخت مصیبت کا سامنا ہوتا تھا۔ بہت
سے امرا اور راجگان اور چھوٹے چھوٹے والیان ریاست بھی
جہان پناہ کے ہمرکاب گھوڑون پر سوار ہوتے تھے مگر دل مین
گھوڑون کی سواری سے سخت نفرت کرتے تھے کیونکہ معمولی طور
سے عادت تو یہ تھی کہ بڑے آرام کے ساتھ پالکیون مین سفر

کیا کرتے تھے۔ بادشاہ یا تو تخت پر سوار ہو کر کہارون کے کاندھے پر
چلتا تھا یا اپنے گھوڑے یا ہاتھی پر سوار ہوتا تھا:-

"شاہی دہلی اپنے بڑے بڑے دروازون کو چوپٹ کھولدیتی
ہے اور اُنہین سے ہشیار سپاہی چمکتے دمکتے ہتھیار لگائے ہوے
زرق برق نکلے چلے آتے ہین۔ آگے آگے کرنا اور شہنائی بجتی
جاتی ہے جسمین سے جنگی راگ نکلتے ہین۔ ایک شاندار ہاتھی پر
شاہی تخت کسا ہوا ہے اور اُسپر نسل تیموری کا سردار بڑی شان
سے بیٹھا ہوا ہے اور اُسکے چارون طرف زر و جواہرات کی جگمگاہٹ
سے آنکھون مین چکاچوند ہوتی ہے اُمرا بھی ہمرکاب ہین۔ اپنے
عربی گھوڑون کی باگین سنبھالے ہوے ہین اور بادشاہ کے
اشارہ پر نظر ہے۔ بڑے بڑے راجہ جو خود بڑے بڑے ملکون کے
مالک ہین یہان گردن اطاعت جھکائے ہوے ہین اور باوجود
راجگی کے غلام بنے ہوے ہین۔ انکے پیچھے بیگمات کی سواریان
ہین جنکے چارون طرف خواجہ سراؤن کا ہجوم ہے حُسن کی دیبیون
کے محمل چلے جاتے ہین مگر کسی کی مجال نہین کہ آنکھ اُٹھا کر دیکھے

ایک نظر دیکھا اور جان سے ہاتھ دھوئے*

اس جلوس مین بیگمات کی سواریون کی شان ہی کچھ اور ہوتی تھی سنہری پالکیان اور اُنکے ریشمی پردے شہزادیون کے تامجان شاندار عماریان اور محافے کچھ ہاتھیون پر کچھ اونٹون پر اونچے اونچے آٹھ عورتون کے بیٹھنے کے ہودج اور اُنپر اطلس اور زربفت کے پردے غرض کچھ عجب بہار ہوتی تھی۔

برنیر نے لکھا ہے کہ "حرم سرا کے جلوس کے ترک و احتشام کا ذکر کرنا لازمی ہے۔ جہان تک آپ کے خیال کو وسعت ہو سکے سمجھیے آپ کے قیاس مین کوئی مرقع ایسا نہین آسکتا جو اُس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا اور شاندار ہو جو اُسوقت پیش نظر ہوتا تھا جب روشن آرا بیگم کی سواری ایک عظیم الشان ہاتھی پر نکلتی تھی۔ سونے کے فیروزے جڑے ہوے میگھڈمبر مین سوار۔ پیچھے پیچھے پانچ چھ ہاتھیون کی قطار۔ اُن پر بھی ویسے ہی جھلکاتے ہوے

* یہ ترجمہ ہے سارول صاحب کی نظم معروف بہ درگا مپیرن کی چند سطرون کا۔ نظم مذکور کا فسنبل صاحب نے اپنی کتاب اورنگزیب سلیفنی مین شائع کی ہے۔

بیگم سہر گئے ہوئے اور اُنمین ملکہ کی خواصین بیٹھی ہوتین - آگے
پیچھے امرائے دربار کی بیگمات کی سواریان - پھر پندرہ سولہ
سواریان مستورات کی مع ایسے حشم خدم کے جو انکے مرتبہ اور
عہدہ اور تنخواہ کے شایان ہوتا تھا - جب یہ ساٹھ ساٹھ ہاتھیون
کی قطار ایک ساتھ برابر قدم اٹھاتی ہوئی چلتی ہے اور سنگڑون
پر چمک دمک کے مارے آنکھ نہین ٹھہرنے پاتی تو شان بادشاہت
معلوم ہوتی ہے اور دل پر عجب طرح کا رعب سا چھا جاتا ہے -
زرق برق لباس سے آراستہ پیش خدمتون اور خواصون کا ٹھاٹھ،
نہین - اگر مین نے اس جاہ و حشمت کے جلوس کو فلسفیانہ بے پروائی
کی نظر سے نہ دیکھا ہوتا تو ضرور تھا کہ میرے خیالات مین بھی اُن
ہندوستانی شاعرون کی سی بلند پروازی آ جاتی جو یون لکھتے
ہین کہ ان ہاتھیون پر دیویان عوام کی نظرون سے چھپی ہوئی
چلی جاتی ہین*

برنیر صاحب خوش نصیب تھے کہ انھون نے اس جلوس کو

* منقول از وقائع سیاحت ڈاکٹر برنیر -

اسطرح دیکھ لیا اور نہ حرم سرا کی سواریون کے اسقدر قریب رہنا بڑی
جان جوکھون کی بات تھی - اور ایک دفعہ فرانسیسی ڈاکٹر صاحب
کی بھی شامت ہی آگئی تھی اور تلوار ہاتھ مین لیکر بمشکل تمام خواجہ سراؤن
سے لڑبھڑ کر نکل سکے ورنہ بیطرح مرمت ہونے کا سامان ہوگیا تھا -

علاوہ شاہی خاندان کے بڑے بڑے اراکین اور اُنکے ہمراہیونکے بادشاہ
کے ساتھ سفر مین بھی بیشمار ملازمون اور تاجرون کا ہجوم رہتا تھا -
حقیقت یہ ہے کہ سب دہلی والے اپنے گاہکون کے ساتھ چل کھڑے
ہوتے تھے - کیونکہ دو صورتون کے سواے کوئی تیسری صورت
نہ تھی - یا تو اپنے مالکون کے جلوس کے ساتھ ساتھ جائین ورنہ گھر پر
رہکر ویران شہر مین فاقے کرین - جو دوکاندار شہر مین دوکانین رکھتے
تھے وہ مجبور ہوتے تھے کہ جب دہلی اپنے ویران گلی کوچون کا ماتم
کرتی ہو تب میدان مین دوکان لگائین -

لشکر کی کل تعداد کا اندازہ تین چار لاکھ آدمیون کا کیا جاتا ہے
یہ لوگ سواے کھانے پینے کے سامان کے اور سب ضروریات کی
چیزین اپنے ساتھ رکھتے تھے - کیونکہ جس ملک مین سے گزرین اُسمین

لوٹ مار کرنا منزلہ اسکے تھا کہ بادشاہ کے گھر مین ڈاکہ ڈالا جاے کیونکہ بادشاہ
ہی کم از کم اصولی طور پر سارے ملک کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ وہ تو بھلے
ہندوستانی سپاہیون کی غذا مین سادگی بہت ہے اور حیوانی
غذاؤن سے پرہیز کیا جاتا ہے ورنہ لشکر مین فاقون کی نوبت
آجایا کرتی۔ پرانے شرقی طریقہ کے مطابق دوہرے دوہرے خیمے
ساتھ رہتے تھے۔ ایک تو وہ جنمین رات کو آرام کرتے تھے اور دوسرے
وہ جو پیش خیمہ کہلاتے تھے اور آگے روانہ کردیے جاتے تھے تاکہ شب
آیندہ کے واسطے نصب کیے ہوے تیار ملین۔ دربار کے خیمے اور
خرگاہ برابر ساتھ ہوتے تھے جنکے شامیانے مخمل اور اطلس کے بنے
ہوے ہوتے تھے بادشاہ انمین اسیطرح دربار کرتا تھا جسطرح دہلی
یا آگرہ مین۔ شاہی خیمے سرخ رنگ کے ہوتے تھے اور انمین ہاتھ کی
چھاپی ہوئی چھینٹون کا استر ہوتا تھا اور سنہری اور روپہلی منقش اور
ریشم کی جھالر لگی ہوتی تھی۔ خیمون کی چوبین بھی رنگین اور سنہری ہوتی
تھین۔ بادشاہ کے خیمہ کے قریب ہی بیگمات کے خیمے ہوتے تھے
چارون طرف لکڑی کے پردے لگائے جاتے تھے پھاٹک کے

باہر پہرہ رہتا تھا اور وہین نقارخانہ ہوتا تھا اور بڑے بڑے افسران سلطنت بھی وہین رہتے تھے۔ چھوٹے درجہ کے لوگون کے خیمے کسیقدر فاصلہ پر ہوتے تھے اور پورے لشکر کا محیط تقریباً پانچ چھ میل کا ہوتا تھا۔ سب کے اوپر آکاس دیا روشن ہوتا تھا یہی شاہی روشنی سمجھی جاتی تھی۔ چالیس گز کا ایک ستول لیکر اُسمین ایک لالٹین لٹکا دی جاتی تھی۔ تاکہ رات کے بھولے بھٹکے اپنے خیمون تک پہونچ سکین۔ لشکر کے چارو طرف پہرہ والے آگ روشن رکھتے تھے اور سنتری چپ چاپ ٹہلتے رہتے تھے۔

اورنگ زیب نے بہت دن کشمیر مین آرام کیا اور ۱۶۶۵ء کا بڑا حصہ وہین بسر کیا۔ اس سفر سے جب وہ واپس آیا تو سلطنت کے امن وامان کی وہی کیفیت پائی جو اُسکی روانگی کے وقت تھی۔ ۱۶۶۶ء کے شروع مین ایک کھٹکا اور بھی مٹ گیا یعنی اُسکے باپ شاہجہان نے آگرہ کے شاندار زندان مین قضا کی۔ اُسی سال شائستہ خان کی اراکان والی فتح کی بھی خبر آئی۔ اور اُسکے سب سے زیادہ تکلیف دینے والے دشمن سیواجی مرہٹہ نے بھی

اطاعت کرلی اور بذات خود دربار مین حاضر ہو گیا۔ اسکے کچھ ہی
عرصہ بعد ۱۶۶۷ع مین راجپوتون مین سب سے بڑا رفیق اور
زور والا راجہ جے سنگھ مر گیا۔ راجہ مذکور بادشاہ کا بہت وفادار
اور جانباز رفیق تھا اور اُسکی تخت نشینی کے زمانے سے برابر
اُسکا ساتھ دیتا رہا تھا اور اپنے راجپوتون کو لیکر دکن مین [illegible]
لڑا بھی تھا۔ دوسرا مشہور راجپوت جنرل جسونت سنگھ اپنی کابل
کی حکومت پر کابلے کو سون پڑا ہوا تھا۔ اور اُسکا زمانہ بھی اب
خاتمہ کے قریب آگیا تھا۔ آخرکار بادشاہ کو یہ آزادی نصیب ہوگئی
تھی کہ ہندوستان کے دبانے کی حکمت عملی پر کاربند ہو کہ یہی [illegible]
مسلمان کا کام ہے۔ ابتک ایذا رسانی نہ کیجاتی تھی۔ مذہب کیوجہ
سے کوئی ناقابل نہ سمجھا جاتا تھا۔ مگر اسمین شک نہین کہ اورنگزیب
اپنے مذہبی جوش کو روکے ہوے تھا اور اس موقع کا منتظر تھا
کہ ایسی حالت ہو جاے کہ وہ بغیر کسی اندیشہ کے اُسکا اظہار
کفار کے مقابلہ مین کر سکے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۶۹ع سے اس طوفان کا سامان

دینا شروع ہو گیا۔ ۱۰۷۹ھ کے ۱۸ اپریل میں اورنگ زیب کو یہ خبر
پہونچی کہ بنارس اور دیگر ہندو دولت کے اور بڑے شہروں کے برہمن
اپنے مذہبی علوم اپنی قوم والوں کو نہیں بلکہ مسلمانوں کو بھی
سکھاتے ہیں۔ بھلا اورنگ زیب سا غالی مسلمان کب اس کی تاب
لا سکتا تھا۔ مگر جو جوشی کے کام اس نے کیے اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسے
لیے بہانہ بھی ڈھونڈھ رہا تھا کہ کسی طرح کوئی موقع ہاتھ آئے تو تعصب
کافروں پر بلا کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حامی اسلام
نے سب صوبجات کے حاکموں کے نام فرمان جاری کر دیے کہ پورے
طور سے مستعد ہو کر کافروں کے سب مدرسے اور مندر مسمار کر ڈالیں
اور نفرت انگیز ہوئی کہ بت پرستی کے طریقہ کی تعلیم و تلقین بالکل
بند کی جائے۔ یہ ہرگز خیال کیا جائے کہ ان احکام کی لفظ بلفظ

سب سے پہلی روایت مذہبی ایذا رسانی کی مستعد خان کی کتاب مآثر عالمگیری میں
ہے اور اس کی تاریخ ۱۷ ذیقعد ۱۰۷۹ھ مطابق ۱۸ اپریل ۱۶۶۹ء لکھی ہے
کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے اپنی سلطنت کے گیارھویں سال میں سرکاری طور پر
اپنی سلطنت کے لکھے جانے کی ممانعت کر دی تاریخ کا کچھ ٹھیک پتہ نہیں لگتا۔

تعمیل ہوئی ہوگی - انگریزی گورنمنٹ کی بھی یہ جرأت نہین ہوسکتی کہ
ہندوستان مین ایسے خطرناک تجربہ کی آزمایش کرے - ہان اسقدر
ضرور ہوا کہ چند بڑی بڑی نظیرین قائم کردی گئین تاکہ برہمنونکو تنبیہ
ہوجاے اور مسلمانون کو اپنا شاگرد بنانے سے باز رہین - اسی غرض
سے بنارس کا وشنو جی کا مندر مسمار کیا گیا اور متھرا کا ایک نفیس
مندر زمین کے برابر کردیا گیا اور اُسکی جگہ ایک عالیشان مسجد تعمیر
ہوئی - ان مندرون مین جو بُت ملے وہ آگرہ پہونچا دیے گئے اور
وہان مسجد کی سیڑھیون کے نیچے دفن کردیے گئے تاکہ مسلمان
اُنکو اپنے پانٔون کے نیچے پامال کرکے اپنا دل خوش کرین -

تین برس بعد ہندون کا مذہبی جوش اسطرح ظاہر ہوا کہ چار پانچ
ہزار آدمیونکا ایک فرقہ جو اپنے تئین ستنامی کے لقب سے مشہور کرتا تھا میوات
مین بغاوت پر اُٹھ کھڑا ہوا اور شاہی افسرون کو اس فرقہ کے زیر
کرنے مین بہت دقت پیش آئی - لڑائی شروع تو یون ہوئی تھی کہ ایک
سرکاری شحنہ نے کسی کو ایک طمانچہ ماردیا تھا - مگر معلوم ہوتا ہے کہ اس
فرقہ کے دل مین رنج کی آگ عرصہ سے سُلگ رہی تھی کہ اتفاق سے

خفیف اشتعال پر اسکا شعلہ بھڑک اُٹھا۔ ہزارون ست نامی جمع
ہو گئے اور اہلکارون سے انتقام لینے پر کمر باندھکر نارنول پر قبضہ
کرلیا اور محصول وصول کرنے لگے اور ضلع کا انتظام بھی اپنے ہاتھون
مین لے لیا۔ معمولی بیرونجات والی فوجون کو کئی دفعہ شکست دی۔
دہلی سے بھی کئی دفعہ فوج بھیجی گئی مگر باغیون نے مقابلہ کرکے انکو بھی
مار بھگایا۔ "کہا جاتا تھا کہ ان لوگون پر تلوار اور تیر اور بندوق کی گولی
کا مطلق اثر نہ ہوتا تھا اور جو تیر یا گولی وہ چلاتے تھے اس سے دو دو
تین تین آدمی گر پڑتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہوگیا کہ یہ لوگ سحر کے عامل ہین
اور انکے پاس جادو کے چوبی گھوڑے ہین جو مثل جاندار گھوڑون
کے کام دیتے ہین اور اُنپر انکی عورتین سوار ہو کر فوج کے ہراول حصہ
مین رہتی ہین*"۔ آس پاس کے راجپوتون اور ہندوؤن مین بھی بغاوت
کا جوش شروع ہوگیا اور باغیون کی جماعت روز بروز زیادہ ہوتی گئی۔
اورنگ زیب نے دیکھا کہ اُسکی فوج غنیم کے جادو کے ڈر سے
بیدل ہوتی جاتی ہے۔ چنانچہ اُسنے ٹھان لی کہ ایک دعائے اعظم سے

* منقول از تاریخ خفی خان۔

جادو کا توڑ کرے۔ اُسنے چند متبرک آیات لکھکر اپنے فوجی جھنڈون پر سلوا دین۔ اورنگ زیب کے دل مین تو غالباً اس عبارت کی کہ "ببرکت اسم اعظم مین ان لوگون کو تباہ کردونگا" اسیقدر قیمت رہی ہوگی کہ اِس سے اُسکے جوش کا اظہار ہوتا ہے مگر سپاہیان کا یہ اعتقاد ہوگا کہ یہ الفاظ قرآنی غنیم کے سحر کے رد کرنے مین ضرور کارگر ہونگے۔ ایرانی سردار جو ہندوون سے لڑنے پر اُدھار کھائے بیٹھے رہتے تھے سپہ سالار بنے اور شاہی فوج بلائے بیدرمان کی طرح باغیون پر ٹوٹ پڑی اور تھوڑی ہی دیر مین قتل عام مچا دیا۔ ست نامی جان بکف ہوکر نہایت جوش کے ساتھ لڑے مگر انجام جو ہونا تھا وہی ہوا۔ ہزارون آدمی مارے گئے اور بغاوت فرو ہوگئی۔

اورنگ زیب کو ہندوون کے ساتھ اپنی پہلی حکمت عملی پر عود کرآنے کے میلان مین جو درجہ بدرجہ ترقی ہوئی اُسکے سبب اور اثر کا پتہ لگنا بہت مشکل ہے۔ اپنی سلطنت کے گیارھوین سال مین اُسنے یکایک یہ حکم دیدیا کہ وقائع نگاری کا دستور جو اکبر کے

وقت سے چلا آتا تھا اور شاہی مورخ بہت تفصیل کے ساتھ سب حالات قلمبند کرتے رہتے تھے وہ یکقلم موقوف کر دیا جائے۔ تاریخ لکھنے کی قطعاً ممانعت ہو گئی۔ جو تاریخیں ہمارے ہاتھ لگی ہین وہ بھی خفیہ طور پر لکھی گئی تھیں یا دلون مین محفوظ تھین۔ یہی وجہ ہے کہ یہ سب حالات کچھ عجب طرح کے ابتر اور غیر منتظم طریقے کی اتفاقی اور ناتمام یادداشتون کا رنگ دکھلاتے ہین۔ غالب ہے کہ اُس سلسلے کے بھی چند واقعات نایاب ہو گئے ہین جو ۱۶۶۹ء کے ہنود مندرون کی پہلی خرابی سے شروع ہو کر چند سال بعد کافرون پر جزیہ لگانے پر ختم ہوا۔* ستنامیون کی بغاوت کا واقعہ منجملہ اُن چند واقعات کے ہے جو اُن خفیہ طور پر لکھنے والے مورخون نے محفوظ رکھے ہین

* ڈاکٹر فرائر صاحب نے ہنود کے اس نئے محصول کا ذکر ۱۶۷۵ء مین لکھا ہے وہ لکھتے ہین کہ ہر ہرسن کو ایک اشرفی ادا کرنی پڑتی تھی۔ منوکی نے لکھا ہے کہ اس محصول کے کئی درجے تھے۔ غربا کے واسطے ادنی درجہ کا محصول ساڑھے تین روپیہ تھا اور اعلی درجہ کا محصول جو تاجرون سے وصول کیا جاتا تھا اُس کی تعداد ساڑھے تیرہ روپیہ تک پہنچ جاتی تھی۔

جو قدرتی طور پر اس بات سے خفا تھے کہ "ناپاک کافرون" کے
کارنامے لکھ لکھکر اپنے قلم کو روسیاہ کرین - ایک اور بھی واقعہ ہے
جو بادشاہ کے جسونت سنگھ کی اولاد کے معاملہ مین دخل دینے
سے متعلق ہے -

ایک طاقتور راجہ کے مرنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ہندوؤن پر
اور زیادہ زیادتی ہو - اور اورنگ زیب کی یہ خواہش کہ وہ راجپوتون
کے خاندانی معاملات مین دخل دے اس بات کی علامت ہے کہ
اب وہ اپنے تئین اس قابل سمجھنے لگا تھا کہ سارے ہندوستان مین
خالص اسلامی سلطنت قائم کر دے - دہلی مین جزیہ کے پھر لگائے جانے
پر جو ناراضی کا اظہار ہوا تھا اُسکی وجہ سے وہ اپنے ارادہ سے ڈگمگایا
نہین - لوگون نے اُسکے محل کے پاس جمع ہو کر بہتیرا شور اور واویلا
مچایا مگر مطلق کارگر نہوا - اورنگ زیب نے اس زمانہ مین اوقات
معینہ پر جھروکہ مین بیٹھنا اور رعایا کے مجرے لینا بھی چھوڑ دیا تھا
کیونکہ اُسکے غالی مذہبی خیالات کے مطابق رعایا کا اُسکے سامنے
جھکنا بھی داخل بت پرستی تھا - گو وہ چاہے جسقدر خلوت مین جا بیٹھا ہو

اور نماز کے ساتھ نٹے ہونے کی اُس عادت سے پرہیز کیا ہو جسنے
اُسکے باپ کو بہ مقصد ہر دل عزیز کر دیا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ اُسکو یہ معلوم
ہو گیا ہو کہ اس نئے قانون سے کس قدر برہمی ہو رہی ہے۔ جب
وہ مسجد کو جانے لگا تو بہت سے فریادی اور نیز بلوائی ہندوؤں
نے ہجوم کر کے اُسکا راستہ روک لیا۔ اور اگرچہ اُسکے ہاتھی ان لوگوں کو
کچلتے ہوئے بڑھ گئے تاہم وہ اُس سخت نفرت کو زیر نہیں کر سکا جو
تعصب مذہبی کے اس نئے طریقہ سے پیدا ہو گئی تھی۔ راجپوت
کنوروں کے ساتھ جو برتاؤ بادشاہ کی طرف سے ہوا اُس سے
ناراضی کی چنگاریاں اور بھی بھڑک اُٹھیں۔ بادشاہ نے یہ کوشش
کی کہ جسونت سنگھ کے دونوں بیٹے تعلیم کے واسطے دہلی پہونچا دیے
جائیں اور اُسکی نگرانی میں تعلیم پائیں اور مسلمان ہو جائیں۔
بھلا راجپوت کب اسکی تاب لا سکتے تھے۔ اُنکی جاں نثاری اور
انکا غرور دونوں اسکے مانع تھے کہ وہ اپنے موروثی سرداروں
کے واسطے یہ ذلت گوارا کریں۔ جب ان لوگوں کو یہ خبر لگی کہ
متعصب بادشاہ نے پھر سے طریقۂ محمدی کو از سر نو زندہ کر کے

ہر شخص پر جو مذہب اسلام کا پیرو نہ ہو وہ محصول لگایا ہے جس سے
اکبر کو بڑی نفرت تھی اور جسکی طرف شاہجہان کا ذہن کبھی منتقل
نہین ہوا تو اُنکی ناراضی کی کوئی حد نہ رہی انھون نے نہ صرف
محصول کی مخالفت کی اور ایسا انتظام کیا کہ مارواڑ کے کشور اون
کو ایسی جگہ پہونچا دین کہ بادشاہ کو اُنپر دسترس نہ رہنے پائے۔
اس سلطنت کی سب سے پہلی بڑی بغاوت یہی تھی۔ اور جو اس بغاوت
کا باعث تھا اُسکو یہ ہرگز معلوم نہ تھا کہ اُسکی تعصبانہ حکمت عملی کے
کیا کیا نتیجے ہونگے۔ اُسنے فوراً راجپوتانہ پر چڑھائی کر دی اور وہان
پہونچکر یہ حال کھلا کہ منجملہ تین بڑی بڑی ریاستون کے اودے پور
یعنی میواڑ اور جودہپور یعنی مارواڑ اُسکے خلاف متفق ہو گئی ہین
اور صرف راجہ رام سنگھ والی جے پور آمبر اب تک تخت شاہی کا
طرفدار ہے۔ راجپوتون نے پچیس ہزار سوار جنمین سے اکثر جودہپور
کے راٹھور تھے میدان مین رکھے۔ اور اگرچہ یہ لوگ اکثر اپنی
پہاڑیون میں بھگا دیے گئے تاہم کبھی پورے طور پر زیر نہین
ہوے۔ کبھی کبھی یہ حالت بھی ہو جاتی تھی کہ ایسا معلوم ہوتا تھا